ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

February 2026

مُدِیرمَسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۳) شعبان ورمضان ۱۴۴۷ھ مطابق فروری ۲۰۲۶ء شمارہ (۸)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰؍روپے سالانہ: ۳۰۰؍روپے اعزازی: ۵۰۰۰؍روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ ”تحقیقاتِ اسلامی“

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱؍آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کراکے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱؍آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریر خامہ		
بہار ایمان	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(٣)
درس قرآن		
تفسیر سورۂ قلم	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(٥)
مقالات ومضامین:		
ایک دوسرے کی مدد کی فضیلت	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(١١)
مبارک مہینہ	مولانا عبید اللہ خالد	(١٣)
رمضان المبارک نئی زندگی کا آغاز	محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی	(١۴)
استقبال رمضان	عمر فاروق ندوی فتحپوری	(١٧)
طلبہ کے حقوق...	مولانا عصمت اللہ نظامانی	(١٨)
حق وصداقت کا معیار؟	حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری	(٢۴)
علمائے سلف	مولانا حبیب الرحمن شروانی	(٢٨)
فقہ وفتاوی	ادارہ	(٣٠)
افسانہ		
قصہ چہار درویش	میر امن دہلوی	(٣۴)
تعارف جامعہ	ادارہ	(٣٧)

صریرخامہ

ہمارا ایمان

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

انسان کا نفس اور اس کی روح دونوں متضاد صفات کی حامل ہیں اور آپس میں محاذ آرا رہتی ہیں، اگر نفس کو غلبہ ہوتا ہے تو وہ روحانیت کو کمزور کردیتا ہے اور اگر روح کو قوت حاصل ہوتی ہے تو وہ نفس کو مغلوب کردیتی ہے۔ نفس ہمیشہ خواہشات کی تکمیل، لذاتِ دنیوی کے حصول اور عیش وآرام کا طالب رہتا ہے، اس کے بالمقابل روح لطیف اور پاکیزہ عنصر رکھتی ہے، ملکوتی صفات کی حامل ہے، ذکراللہ سے سکون حاصل کرتی ہے، اطاعتِ الٰہی، صبر ورضا، صلاح وفلاح، بر اور تقویٰ سے قوت حاصل کرتی ہے، ابدی نجات کی طرف راغب کرتی ہے۔

انسان کا مادّی اور خاکی جسم جب دنیا کی مادّی چیزوں سے خلط ملط ہوتا ہے اور ضرورت سے زیادہ دنیاوی چیزوں کی جانب رغبت ہوتی ہے تو نفس کو قوت وغلبہ حاصل ہونے لگتا ہے، روحانیت کمزور پڑنے لگتی ہے، نتیجتاً انسان امور دنیا میں مصروف ہوتا چلا جاتا ہے، نفس کو راحت پہنچانے والا خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر جائز وناجائز کام انجام دینے لگتا ہے، برائیوں میں، خواہشات میں، عیش ومستی میں، حرام خوری وبدکاری میں، ظلم وسرکشی میں مبتلا ہوجاتا ہے، خدا اور سول کو فراموش کردیتا ہے، اور اگر نفس کو کنٹرول نہ کیا تو پھر شرک وکفر تک میں مبتلا ہوکر ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم رسید ہوجاتا ہے۔

جب کہ روح اسے روحانی اور ملکوتی امور کی جانب راغب کرتی ہے، جس ذات واحد نے اسے پیدا کیا ہے اس سے تعلق کو مضبوط کرنا چاہتی ہے، اطاعتِ الٰہی پر ابھارتی ہے اور امورِ آخرت کی جانب متوجہ کرتی ہے، اب اگر انہی امور کی جانب مسلسل توجہ رہے اور روحانیت کو غذا ملتی رہے تو ایسی ملکوتی طاقت پیدا ہوجاتی ہے اور نفس ایسا مغلوب ہوجاتا ہے کہ برائی کا وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوتا، نفس مطمئنہ حاصل ہوجاتا ہے، اور انجام کار آخرت میں اس شان سے جنت میں (جہاں کی نعمتیں اور لذتیں دائمی ہوں گی) داخل ہوگا کہ خود خالق ارض وسماء ربّ ذوالجلال کی طرف سے اسے یوں خطاب ہوگا:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

(اے نفس مطمئنہ! تو اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت کی طرف چل، اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر ادھر چل کر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہوجا۔)

نفس کو مطمئنہ بنانے کے لیے، اس کی تہذیب وتزکیہ کے لیے، نیز روحانیت کو جلا بخشنے کے لیے کچھ امور سے

اجتناب کرنا ہے اور کچھ امور کو انجام دینا ہے۔ جن کاموں کو ترک کرنا ہے انھیں نَوَاہی کہا جاتا ہے اور جن کاموں کو کرنا ہے انھیں اَوَامر کہا جاتا ہے، بچنے کی چیزوں سے نفس شر، شیطنت اور رذائل سے پاک ہوگا اور کرنے کی چیزوں سے خیر وخوبی اور فضائل سے آراستہ ہوگا۔ اصطلاحِ شریعت میں وہ امور جن کو نہ کرنے اور چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، ان سے بچنے کا نام تقویٰ ہے اور جن امور کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو انجام دینے کا نام ''بِرّ'' ہے۔ گویا یوں شریعت کی بنیاد ''براور تقویٰ'' پر ہے اور انھیں دونوں پر نجاتِ اخروی کا وعدہ اور سعادتِ دارین منحصر ہے۔

اس کے برخلاف اگر مامورات کو انجام نہ دیا جائے اور افعال ''بِرّ'' نہ کیے جائیں تو شرعی اصطلاح میں اسے ''اِثم'' کہا جاتا ہے، اور یہ ''اِثم'' ہی ساری برائیوں کی جڑ اور نفس کو لذات وخواہشات میں مبتلا کرنے والا ہے۔ اور اگر تقویٰ نہ اختیار کیا جائے اور منہیات سے نہ بچا جائے تو اسے ''عُدوَان'' کہا جاتا ہے۔ جو ہر طرح کے فساد اور فتنہ سامانیوں کی جڑ ہے۔ انھیں امور کی جانب اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو ہدایت دیتے ہوئے کہتا ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

(نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور تعدی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ (اپنے نافرمانوں کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔)

الحاصل جب تک خواہشاتِ نفسانی، لذاتِ شہوانی اور جاہ پسندی کا خمار انسان کے قلب سے نکال نہ دیا جائے اور تقویٰ سے زنگ کو دور نہ کیا جائے اس وقت تک افعال بر سے قلب مزکی نہیں ہوسکتا اور نفس مطمئنہ کا حصول نہیں ہوسکتا۔

اس لیے انسانی نفوس کی تربیت وتہذیب کے لیے کچھ ایسے امور ضروری تھے جن کے ذریعہ نفس رذائل سے معریٰ اور خصائل سے مجلّٰی ہو، نواہی سے بچنے اور اوامر کے کرنے کا خوگر ہو، مادّیات سے ہٹ کر خالق کائنات سے تعلق کو مستحکم کرنے والا ہو۔

اللہ ربّ العزت کا بے پایاں کرم واحسان ہے کہ اس نے ہم پر ماہ رمضان کے روزے فرض فرما کر ایک حسین موقع نصیب فرمایا کہ ہم اپنے نفس کی اصلاح کرسکیں، براور تقویٰ والی زندگی کا اپنے نفس کو خوگر بنا سکیں، اپنے ربّ ذوالجلال سے اپنے تعلق کو مضبوط کرسکیں، اپنے نفس کو برائیوں اور عاداتِ رذیلہ سے پاک کرکے اخلاقِ حمیدہ سے متصف کرسکیں۔ جیسا کہ خود اللہ ربّ العزت نے اپنی کتاب ہدایت میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو)

روزہ بر (یعنی کرنے کے کاموں) اور تقویٰ (یعنی نہ کرنے کے کاموں) دونوں پر مشتمل ہے، نفسانی خواہشات،

کھانے پینے، لڑائی جھگڑا کرنے، غیبت، چغلخوری کرنے، اور شہوت کی تکمیل سے روک کر قوتِ نفس کو مغلوب کیا گیا ہے، اور تراویح، تہجد، تلاوت کلام اللہ، صدقہ وخیرات اور ذکر واذکار وغیرہ افعال بر کا حکم دے کر ملکوتی صفات کو جلا بخشنے، روحانیت کو مضبوط کرنے اور اپنے خالق ربّ ذوالجلال والاکرام سے رشتے کو قوی کرنے کی تدبیر بتلائی گئی ہے۔

کتنے خوش نصیب بندے ہیں وہ جو رمضان کے مبارک مہینے میں ممنوعات سے بچ کر، اوامر کو بجالا کر اور تقویٰ کی زندگی اختیار کر کے اپنے نفس کو نفس مطمئنہ بناتے ہیں اور اپنے آپ کو جنت کا حقدار بنالیتے ہیں۔ اللہ ربّ العزت ہم سب کو اس ماہ مبارک کی قدر کرنے اور زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں وفحش لٹریچر سے متأثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔

قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

درس قرآن کریم

سُوْرَةُ الْقَلَمِ

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

إِنَّ لِلْمُتَّقِینَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ۝ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ أَيْمٰنٌ عَلَيْنَا بٰلِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ۝ سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ۝ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِن كَانُوا صٰدِقِينَ ۝

ترجمہ

البتہ ڈرنے والوں کو ان کے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے۔کیا ہم کردیں گے حکم برداروں کو برابر گناہ گاروں کے۔کیا ہو گیا تم کو کیسے ٹھہراتے ہو بات۔کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو۔اس میں ملتا ہے تم کو جو تم پسند کرلو۔کیا تم نے ہم سے قسمیں لے لی ہیں ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک کہ تم کو ملے گا جو کچھ تم ٹھہراؤ گے۔پوچھ ان سے کونسا ان میں اس کا ذمہ لیتا ہے۔کیا ان کے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہیے لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر وہ سچے ہیں۔

تشریح وتفسیر:

گذشتہ آیات میں ان لوگوں کا انجام بیان ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی تکذیب کرتے، قیامت کا انکار کرتے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت اور پیغمبر کے مقابلے میں تکبر اختیار کرتے تھے۔پیش نظر آیت کریمہ میں ان منکرین اور متکبرین کے برعکس زندگی گزارنے والوں یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا انجام بیان ہو رہا ہے۔جن لوگوں نے ایمان و عمل کا راستہ اختیار کیا اور ہر فیصلہ کرنے اور ہر کام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کے احکام کو دیکھا اور اس کے مطابق زندگی گزاری اور ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ لیا۔اور زندگی کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری اور اس کے دین کی سربلندی کو قرار دیا۔یہ وہ لوگ ہیں جنھیں متقی کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔انھیں قیامت کے دن نعمتوں والے باغوں سے نوازا جائے گا جن میں ان خوش نصیب لوگوں کو ایسی نعمتیں دی جائیں گی جنھیں نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا۔اور سب سے بڑی بات یہ کہ انھیں وہ سب کچھ دیا جائے گا جس کی وہ خواہش کریں گے۔دنیا میں خواہشوں اور ارمانوں کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو ناممکن الوجود ہیں لیکن

جنت میں چونکہ زندگی کے ضوابط بدل جائیں گے اور امکان وعدم کے پیمانے تبدیل کر دیئے جائیں گے۔اس لیے وہاں کوئی خواہش بھی ناممکن نہیں ہوگی۔ادھر کسی جنتی کے دل میں خیال آئے گا،اسے زبان تک آنے میں دیر ہوسکتی ہے لیکن اس کی عطا میں دیر نہیں ہوسکتی۔(روح القرآن)ارشاد باری ہے:

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتِ ٱلنَّعِيمِ ۝ (البتہ ڈرنے والوں کو ان کے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے۔)یعنی دارِ آخرت میں نعمت وعیش کے باغ ہیں جن میں کچھ بھی کدورت وکلفت نہیں،برخلاف دنیا کے باغوں کے۔(حقانی)

متکبرین اور منکرین کے لیے عذاب اور متقین کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے معمور جنتیں،پیش نظر آیت کریمہ میں اس پر عقلی دلیل بیان فرمائی گئی ہے۔انسانی دنیا میں ہر جگہ اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر چند لوگ کسی منصب اور کسی ڈیوٹی پر فائز کیے جاتے ہیں ان میں کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے فرائض کو باحسن طریق پورا کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کام چوری کرتے یا جس ادارے سے تنخواہ لیتے ہیں اس کی اصل حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار بھی کرتے ہیں اور جب بھی کبھی ادارے پر نازک وقت آتا ہے تو اس کی بقا اور تحفظ کے لیے محنت کرنے اور جان لڑانے سے گریز کرتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا ادارہ ہے جو ان دونوں طرح کے لوگوں کو برابر سمجھتا ہو،ان کی ایک جیسی عزت افزائی کی جاتی ہو،ایک جیسی مراعات دی جاتی ہوں،دونوں کو سزا دی جاتی ہو یا دونوں کو انعام دیا جاتا ہو۔یقیناً کہیں ایسا نہیں ہوتا۔جو ادارے کے وفادار اور خدمت گزار ہیں ان کے کام کی قدر کی جاتی ہے،انھیں مراعات دی جاتی ہیں اور انھیں انعام کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔اور جو ادارے کے دشمن،غدار،کام چور اور صرف تنخواہ سے غرض رکھنے والے ہیں انھیں نہ صرف انعام کا مستحق نہیں سمجھا جاتا بلکہ انھیں سزا دی جاتی ہے۔

اسی طرح ایک شخص اپنی خواہشات کی تکمیل یا اپنی ذات کی سربلندی کی ہوس میں اندھا ہوکر دوسروں پر ظلم کرتا،حق تلفیاں کرتا اور بعض دفعہ جان لینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔اور ایک دوسرا آدمی ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈر کر حقوق کی پاسداری کرتا ہے،لوگوں سے احسان ومروت سے پیش آتا ہے اور مقاصد کی سربلندی کے لیے جس خدمت اور قربانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ کبھی اس سے دریغ نہیں کرتا۔تو کیا ان دونوں کو عقل،علم اور اخلاق کی نگاہ میں برابر سمجھا جائے گا اور اگر ایسا ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر نیکی کا تصور کیا ہوگا۔برائی بری کیوں سمجھی جائے گی،ظلم سے کوئی بچنے کی کیوں کوشش کرے گا،مظلومیت مدد کے قابل کیوں ہوگی،قاتل اور مقتول میں کیا کوئی فرق باقی رہ جائے گا،کیا حرمت جان،حرمت مال اور حرمت آبرو کا کوئی تصور کسی سطح پر بھی باقی رہ جائے گا۔اگر یہ سب باتیں ان دونوں کو برابر سمجھنے کا نتیجہ ہیں تو کیا انسانی زندگی کی بقا اور انسان اور حیوان میں فرق باقی رکھنے کے لیے کیا اس بات کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ ہے کہ فرمانبردار،قانون کے پابند،اخلاق کے پیکر اور جرائم پیشہ لوگوں کو برابر نہ سمجھا جائے۔یہی انسانیت کا سرمایہ ہے اور یہ وہ تعلیم ہے جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے دی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر مسلم اور مجرم برابر نہیں اور اچھائی اور برائی یکساں نہیں اور ظلم اور عدل ایک ترازو میں برابر نہیں

رکھے جا سکتے، تو پھر اس بات کا ہمارے پاس کیا جواب ہے کہ لوگ قتل ہوتے ہیں لیکن قاتل پکڑے نہیں جاتے یا پکڑے جاتے ہیں تو رشوت یا سفارش کے زور سے چھوٹ جاتے ہیں۔ طاقتور کمزور کو دبا کے رکھتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں، نیکی کمزور ہونے کی وجہ سے منہ چھپائے پھرتی ہے اور بدی سر بازار رقص کر رہی ہے۔ اچھی باتیں کتابوں میں پڑھی جاتی ہیں لیکن ایوانِ حکومت میں برائی کا دور دورہ ہے۔ اور کسی کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں جو ہر سطح پر اس صورتحال کو بدل سکے۔ قرآن کریم اس کا ایک ہی جواب دیتا ہے کہ جب تک لوگوں کے دلوں میں قیامت کا عقیدہ راسخ نہیں کیا جائے گا اور لوگ اس پر یقین نہیں کریں گے کہ ہمارا ہر عمل محفوظ کیا جا رہا ہے۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب ایک ایک عمل کی جوابدہی کرنا پڑے گی۔ وہاں طاقتور بھی پکڑے جائیں گے اور قاتل بھی نہ چھپ سکیں گے اور نہ چھوٹ سکیں گے۔ اس وقت تک انسانی معاملات اور انسانی زندگی کی اصلاح کی کوئی صورت نہیں۔ یہی وہ بات ہے جو اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔

مشرکینِ عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ جو لوگ دنیا میں خوشحال، معزز اور بڑی حیثیت کے مالک ہیں وہی آخرت میں بھی معزز ہوں گے۔ کیونکہ دنیا میں ان کا عزت پانا اور دولت و حشمت سے بہرہ ور ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں مقبول ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ان کو یہ سب کچھ عطا نہ کرتا۔ تو جو لوگ یہاں مقبول ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن ان کو مردود ٹھہرایا جائے اور جو لوگ آج نان شبینہ کے محتاج اور جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں یہ قیامت کے روز بھی اسی طرح نادار اور قلاش ہوں گے۔ اس کی تردید کرتے ہوئے اشارہ فرمایا گیا ہے کہ ہم تمھاری عقل پر یہ فیصلہ چھوڑتے ہیں کہ کیا عقل ایک مجرم اور قانون کے پابند اور اس کے فرمانبردار کو برابر قرار دیتی ہے۔ کیا عقل کی نگاہ میں ظالم اور مظلوم یکساں ہیں۔ کیا عقل یہی سمجھتی ہے کہ اچھائی اور برائی میں کوئی فرق نہیں۔ یقیناً عقل ایسا نہیں سمجھتی۔ وہ ان دونوں کی یکسانی کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ برائی سے نفرت کرتی اور نیکی کو فروغ دیتی ہے۔ اگر امر واقعہ یہ ہے تو پھر تم کیسے سمجھتے ہو کہ تم نے دنیا میں اپنی دنیوی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھایا، اسے ظلم کا ذریعہ بنایا، شب و روز عیش و عشرت میں گزارے اور عفت و عصمت کے نہ جانے کتنے فانوس گل کیے۔ اور تمھارے مقابلے میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانے والے جو کردار کی عظمت اور اخلاق کی دلآویزی رکھتے ہیں۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ پیٹ سے بھوکے بھی ہوں تو صبر کی تصویر ہوتے ہیں۔ دولت ان کے قدموں میں ڈھیر کر دی جائے، تب بھی وہ اس کی ہوس میں مبتلا نہیں ہوتے، تو آخر تمھیں اور انھیں قیامت کے دن برابر کیسے سمجھ لیا جائے۔ افسوس ہے تم پر تم کس طرح کے فیصلے کرتے ہو۔ (روح القرآن) کفار کے اسی غلط تصور و خیال کی تردید میں فرمایا گیا:

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ (کیا ہم کر دیں گے حکم برداروں کو برابر گناہ گاروں کے؟) یعنی نہیں کریں گے، دونوں برابر نہ ہوں گے اور ابھی ہم کہہ چکے ہیں کہ اشرار کے لیے جہنم ہے۔ پس مسلمانوں کے لیے ہرگز نہیں۔ اب ان کے لیے ضرور جنات النعیم ہیں جن میں کفار کو حصہ بھی نہیں، پھر بڑھ کر اور برابر ہونا کیسا؟ (حقانی)

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ (کیا ہو گیا تم کو کیسے ٹھہراتے ہو بات) کہیں نیک اور بد بھی برابر ہوتے ہیں؟ پھر اس

بات کومؤکد کرتا ہے۔

أَمۡ لَكُمۡ كِتَٰبٞ فِيهِ تَدۡرُسُونَ ۝ إِنَّ لَكُمۡ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۝ (کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھ لیتے ہو۔اس میں ملتا ہے تم کو جوتم پسند کرلو۔) گذشتہ آیت کی تشریح میں عرض کیا گیا کہ مشرکین عرب بالعموم اور قریش بالخصوص یہ سمجھتے تھے کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے منظورِ نظر ہیں، اس لیے اس نے ہمیں دنیا میں عزت وسیادت عطا کی ہے، تو اس کالازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن بھی ہمیں نعمتوں سے نوازے گا اور یہ بات وہ اس مفروضے پر کہتے تھے کہ اولاً تو قیامت آئے گی ہی نہیں اور اگر آ ہی گئی تو ہمیں اس کی کیا فکر ہے ہم چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کا رشتہ رکھتے ہیں تو وہ یقیناً ہمیں وہاں بھی نوازے گا۔اس آیت کریمہ میں فرمایا جارہا ہے کہ کیا تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کوئی کتاب، کوئی صحیفہ موجود ہے جسے پڑھ کر تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو کہ قیامت کے دن تمھاری ساری آرزوئیں پوری ہوں گی۔تم اگر خود اپنی عقل سے بھی پوچھو جیسے کہ اس سے پہلے کی آیت میں فرمایا گیا ہے تو عقل بھی کبھی اسے تسلیم نہیں کرے گی کہ قیامت کا دن جبکہ جزاء وسزا کا دن ہے اور وہاں حُسنِ عمل پر جزاء ملے گی اور بدکرداری پر سزا ملے گی، تو تم نے اس کے لیے محض عزت و وجاہت کو معیار بنالیا ہے تو آخر یہ بات تم نے کس کتاب میں پڑھی ہے جو خاص طور پر تم پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے۔اور اگر واقعی کوئی ایسی چیز تمھارے پاس ہے تو اسے پیش کرو۔ لیکن کوئی ایسی چیز ہوتی تو وہ پیش کرتے۔اس لیے جواب میں خاموشی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔(ایضاً)

أَمۡ لَكُمۡ أَيۡمَٰنٌ عَلَيۡنَا بَٰلِغَةٌ إِلَىٰ يَوۡمِ ٱلۡقِيَٰمَةِ إِنَّ لَكُمۡ لَمَا تَحۡكُمُونَ ۝ (کیا تم نے ہم سے قسمیں لے لی ہیں ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک کہ تم کو ملے گا جو کچھ تم ٹھہراؤ گے۔) یعنی اگر تمھارے پاس کوئی کتاب نہیں تو پھر یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی عہد و پیمان اللہ تعالیٰ نے تم سے ایسا کر رکھا ہو جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تم جو چاہو گے ہم تمھارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے تو پھر وہ عہد و پیمان پیش کرو۔ظاہر ہے کہ ایسی کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی جسے وہ پیش کرسکتے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کی فوز وفلاح کے جو وعدے قوموں سے کیے ہیں وہ ایمان اور عمل صالح اور اس عہد کی پابندی کے ساتھ مشروط ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے واسطے سے لوگوں سے لیے ہیں۔غیر مشروط طور پر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کسی کی بخشش یا سرفرازی کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) جنھیں ابوالانبیاء کہا جاتا ہے، یہودیت، مسیحیت اور اسلام تینوں میں ان کا بڑا احترام ہے۔ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی قربانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا'': اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا '' (کہ میں آپ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں) یعنی اس وقت کی دنیا کی دینی امامت وقیادت آپ کے سپرد کی جارہی ہے۔تو آپ نے پوچھا کہ کیا یہ منصب میری اولاد کو بھی ملے گا، تو جواب میں فرمایا گیا کہ ''میرا یہ عہد ان کو شامل نہیں ہے جو آپ کی اولاد میں سے میرے عہد کو توڑ کر اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بن جائیں گے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ جب بھی کوئی عہد کیا ہے تو اس کی بنیاد ایمان وعمل کو بنایا۔ظالم اسی کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر، اس کی توحید پر اور آخرت پر عمل کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو

شریک ٹھہراتا ہو۔اور آخرت سے انکار کے باعث بے عملی یا بدعملی کی زندگی گزارتا ہو اور احکامِ شریعت کی پروانہ کرتا ہو۔لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جس خیالِ خام میں قریش مبتلا تھے اسی فریب کا شکار یہود بھی تھے۔وہ بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے چہیتے قرار دیتے تھے۔اور اسی لیے اپنے آپ کو ہر مسئولیت سے بالاتر سمجھتے تھے۔(ایضاً)

سَلۡهُمۡ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ۝ (پوچھ ان سے کونسا ان میں اس کا ذمہ لیتا ہے۔)اس سے پہلے کی آیت میں پوچھا گیا تھا کہ کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد و پیمان لے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مرضی کے مطابق ان سے سلوک کرے گا اور قیامت (اگر آگئی) تو وہاں بھی یہ لوگ نوازے جائیں گے۔پیش نظر آیت کریمہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا جارہا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے یہ پوچھئے کہ تم جو عہد و پیمان وغیرہ کی باتیں کرتے ہو، کیا کوئی اس کا ضامن بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے نبوت اور فلاح کا غیر مشروط ابدی پروانہ جاری کر رکھا ہے اور اگر کوئی ایسا ضامن نہیں ہے تو شاید ان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ جن قوتوں کو ہم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے وہ یقیناً ان پر اللہ تعالیٰ کو ہاتھ نہیں ڈالنے دیں گے۔یہ دنیا میں جو کچھ بھی کرتے رہیں ان شریکوں کی انھیں پناہ حاصل ہے، وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کا عتاب ان پر برسنے نہیں دیں گے۔

فرمایا جارہا ہے کہ اگر کچھ ایسے شرکاء ہیں اور تم اپنے دعوے میں واقعی سچے ہو تو پھر انھیں پیش کرو۔لیکن یہ عجیب بات ہے کہ قریش بت پرستی میں مبتلا تھے۔فرشتوں کی بھی پوجا کرتے تھے۔جنات سے بھی استمداد کرتے تھے اور ان کے نام پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔بااین ہمہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنے تحفظ کے لیے کبھی ان کا نام نہیں لیتے تھے۔ کیونکہ قرآن کریم نے مسلسل تنقید سے ان کے اس مشرکانہ کاروبار کی بے حقیقتی مبرہن کر دی تھی اور آج اسی کا اثر ہے کہ ہندو جیسی مشرک قوم بھی کبھی اسے تسلیم نہیں کرتی اور وہ اپنے مشرکانہ رویئے پر تاویلات کے عجیب و غریب پردے تان کر اور جھول ڈال کر رکھتی ہے اور عجیب و غریب فلسفے اس نے ایجاد کر رکھے ہیں۔(ایضاً)

اللہ نے ان آیات میں ان تمام عقلی و نقلی دلائل کی نفی فرمادی جن سے ثبوت دعویٰ کا امکان ہوسکتا تھا، نہ ان کو استحقاق ہے، نہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے، نہ کوئی ایسا شخص ہے جو اس دعوے کو ثابت کرسکتا ہو کہ یہ اس کی تقلید کرتے ہوں۔ جب مؤمنوں کے ساتھ کافروں کی مساوات کی نفی (ہر طرح) کردی تو (یہ خیال ممکن تھا کہ اگرچہ خدا کافروں کو مؤمنوں کے برابر درجہ میں نہیں کرے گا، لیکن خدا کے دوسرے شریک ایسا کردیں گے۔اس امکانی خیال کو دفع کرنے کے لیے) اگلی آیت میں وجود شرکاء کی ہی نفی فرمادی کہ جب اللہ کا کوئی شریک ہی نہیں تو اس کا تصرف کیسا۔(مظہری)

أَمۡ لَهُمۡ شُرَكَآءُ فَلۡيَأۡتُواْ بِشُرَكَآئِهِمۡ إِن كَانُواْ صَٰدِقِينَ ۝

(کیا ان کے واسطے کوئی شریک ہیں پھر تو چاہئے لے آئیں اپنے اپنے شریکوں کو اگر وہ سچے ہیں۔) یعنی کیا ان کے معبود ہیں جن کو وہ ہمارا شریک اور کارمختار جان کر پوجتے ہیں اور مدد مانگتے ہیں وہ ایسا کردیں گے اچھا ان کو لاؤ اور کہلاتو دو اگر سچے ہیں۔یعنی یہ بھی غلط خیال ہے۔(حقانی)

ایک دوسرے کی مدد کی فضیلت

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة. (متفق عليه)

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کا دینی بھائی ہے، کوئی مسلمان کسی مسلمان پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو اس کے دشمن کے ہاتھوں میں چھوڑے، اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کی سعی وکوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے، جو شخص کسی مسلمان بھائی کے کسی غم کو دور کرتا ہے تو اللہ اس کو قیامت کے دن غموں میں سے ایک بڑے غم سے نجات دے گا اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کے بدن یا اس کے عیب کو ڈھانکتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب کو ڈھانکے گا۔)

عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انصر أخاك ظالما أو مظلوما. فقال رجل يا رسول الله أنصره مظلوما فكيف أنصره ظالما؟ قال تمنعه من الظلم فذاك نصرك إياه۔ (متفق عليه)

(حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو مسلمان مظلوم ہے، اس کی مدد تو مجھے کرنی چاہیے لیکن میں اس مسلمان کی کس طرح مدد کرسکتا ہوں جو ظلم کررہا ہے؟ حضور نے فرمایا تم اس کو ظلم سے روکو یہی یعنی اس کو ظلم سے روکنا، اس کے حق میں تمہاری مدد ہے کیونکہ اس کو ظلم سے روکنا گویا اس کو اپنے نفس اور شیطان پر قابو پانے میں مدد دینا ہے۔)

فائدہ: تمام مسلمان آپس میں دینی اخوت کا تعلق رکھتے ہیں جس کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ کوئی ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہ کرے، بلکہ اس سے بڑھ کر ہر ایک مسلمان پر لازم ہے کہ دکھ درد اور مصیبت وپریشانی میں ایک دوسرے کی مدد بھی کرے، اگر بھوکا ہے تو اس کے کھانے کا نظم کرے، ننگا ہے تو اسے کپڑا پہنائے، بے مکان ہے تو آشیانہ بنانے میں تعاون کرے، کوئی اگر اس پر ظلم کررہا ہے تو مدد کرے اور ظالم کو ظلم سے روک دے۔ اپنی طاقت، قدرت ووسعت کے بقدر ظالم کو ظلم سے نہ روکنا اور مظلوم وبے کس کی مدد نہ کرنا بھی معاشرتی طور پر ایک جرم ہے اور ملک، قوم ومعاشرے کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دینا ہے۔

ظالم کا ہاتھ اگر نہیں پکڑا جائے گا تو وہ دن بدن جری ہوتا جائے گا، اس کا ظلم بڑھتا جائے گا، کمزوروں پر ظلم کرنے

میں اسے مزہ آنے لگے گا اور پھر وہ اس کا ایسا عادی ہوجائے گا کہ اسے توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوگی اور بالآخر جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔اس کے بالمقابل اگر معاشرہ کے مضبوط لوگ اسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کریں، تو ایک نہ ایک دن اسے اپنے جرم کا احساس ہوگا اور وہ ایسی حرکتوں سے تائب ہوجائے گا۔اس طرح مظلوم اس کے ظلم سے بچ جائیں گے اور وہ ظالم بھی ظلم کے گناہ اور وبال سے محفوظ رہے گا۔

نیز ایک مسلمان بھائی کے حوالے سے دوسرے مسلمان پر یہ بھی لازم ہے کہ اگر کسی مسلمان مرد ہو یا عورت کے کسی عیب پر مطلع ہو تو اس کو چھپائے، عیب کو لوگوں سے بیان کر کے اسے رسوا کرنے کی کوشش نہ کرے۔کسی مسلمان بھائی کی رسوائی خود اس کی بھی رسوائی ہے اور پورے مسلم معاشرے کی رسوائی ہے۔ایسی حرکت سے دوسروں کو مسلمانوں پر ہنسنے کا موقعہ ملے گا، نیز اسی طرح اگر لوگ ایک دوسرے کی برائیاں آپس میں بیان کرتے رہیں گے تو برائیوں کی قباحت دلوں سے نکل جائے گی اور بڑی سے بڑی برائی کو لوگ معمولی سمجھنے لگیں گے اور پھر کھلم کھلا کرنے لگیں گے اس طرح پورا مسلم معاشرہ برائیوں کی زد میں آجائے گا۔

اگر کسی نے کسی کی برائی کو چھپایا تو اس کے بدلے، اس چھپانے والے شخص نے دنیا میں جو عیوب و گناہ کئے ہوں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے ان گناہ و عیوب کی پردہ پوشی کرے گا۔بایں طور کہ اہل موقف کے سامنے ظاہر نہیں کرے گا اس پر مواخذہ و محاسبہ نہیں کرے گا اور نامہ اعمال کی پیشی کے وقت ان کا ذکر پوشیدہ طور پر ہوگا۔

علماء نے لکھا ہے کہ جن مسلمانوں کے عیوب کی پردہ پوشی مستحسن و مستحب ہے وہ اس درجہ کے مسلمان ہیں جن کو اہل عزت و حیاء کہا جاتا ہے یعنی وہ مسلمان جن کی ظاہری زندگی پاکیزہ اور آبرومندانہ سمجھی جاتی ہے اور جن کے عیوب پوشیدہ رہتے ہیں کہ اگر بتقضائے بشریت ان سے کوئی گناہ و عیب سرزد ہوجائے تو وہ اس کو پردہ حیاء میں چھپاتے ہیں، رہے وہ مسلمان جو حیاء کا پردہ اٹھادیتے ہیں جن کی ایذاء رسانی اور فتنہ پردازی آشکار ہوتی ہے اور علی الاعلان گناہ و معصیت کا ارتکاب کرنے میں کوئی شرم اور جھجک محسوس نہیں کرتے ان کا معاملہ جداگانہ ہے کہ نہ صرف ان کو ان گناہ و عیوب پر ٹوکنا واجب اور ان کو ارتکاب معصیت سے منع کرنا اور تنبیہ کرنا لازم ہے بلکہ اگر وہ روکنے اور تنبیہ کرنے کے باوجود اپنی برائیوں اور گناہ و ایذا رسانی سے باز نہ آئیں تو ان کے بارے میں حاکم کے یہاں اطلاع دینی چاہیے تاکہ وہ ان کو ایذاء رسانی اور فتنہ پردازی سے باز رکھے اور اس موقعہ پر مظلوم کے حق میں ظالم کے خلاف گواہی بھی دینا چاہیے۔

کتنی عمدہ تعلیم ہمارے رسول ﷺ نے ہمیں دی ہے۔آج مسلم معاشرے میں جو انارکی پھیلی ہوئی ہے اور ہر شخص پریشان ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اور اخوت اسلامی کے رشتے کو توڑ دیا ہے۔نہ ہم پریشان حال کی مدد کے لئے آگے آتے ہیں اور نہ ظالم کو ظلم سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ضرورت ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کو عام کیا جائے اور اسلامی اخوت کے رشتے کو مضبوط کیا جائے۔

مبارک مہینہ

مولانا عبید اللہ خالد

رمضان کا مہینہ بڑی عظمت اور فضیلت والا ہے اور اسلام میں اسے خاص مقام، مرتبہ اور اہمیت حاصل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہینہ تک زندہ رہنے اور اس کے فضائل و برکات حاصل کرنے کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ جب رجب کا مہینہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: "اے اللہ! آپ رجب اور شعبان کے مہینے میں ہمارے لیے برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان المبارک کے مہینے تک پہنچا" اسی مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید کا نزول اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا اور اسی مہینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے۔ روزہ جو ایک اہم عبادت اور ارکان اسلام میں سے ہے اسی مہینے میں ادا کی جاتی ہے۔

احادیث مبارکہ میں اس مہینے کے بہت زیادہ فضائل و برکات کا ذکر ہوا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات قید کر دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، پھر اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں پھر اس کا کوئی دروازہ بند نہیں رہتا اور اعلان کرنے والا (فرشتہ) یہ اعلان کرتا ہے کہ "اے بھلائی (یعنی نیکی وثواب) کے طلب گار! (اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو) اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے! برائی سے باز آجا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آگ سے آزاد کرتا ہے۔ (یعنی اللہ رب العزت اس ماہ مبارک کے وسیلہ سے بہت سے لوگوں کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ تو بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائے) اور یہ اعلان (رمضان کی) ہر رات میں ہوتا ہے۔ (ترمذی، مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے رمضان کا بابرکت مہینہ آ گیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر روزے فرض کیے ہیں، اس مہینہ میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، نیز اسی مہینہ میں سرکش شیاطین کو طوق پہنایا جاتا ہے اور اس میں (پورے ماہ رمضان کی راتوں میں یا آخری عشرۂ رمضان کی راتوں میں) اللہ تعالیٰ کی ایک خاص رات ہے جو (باعتبار ثواب) ہزار مہینوں سے بہتر ہے (یعنی اس ایک رات میں عمل کرنا ان ہزار مہینوں میں عمل کرنے سے جس میں لیلۃ القدر نہ ہو کہیں زیادہ افضل و بہتر ہے) لہٰذا جو شخص اس (رات) کی بھلائی سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا۔" (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رمضان (کے استقبال کے لیے) جنت شروع سال سے آخر سال تک اپنی زیب و زینت کرتی ہے، آپ نے فرمایا: "چناں چہ جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے درختوں کے پتوں سے حورعین کے سر پر ہوا چلتی ہے۔ (بقیہ صفحہ: ۱۶ پر)

رمضان المبارک نئی زندگی کا آغاز

محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی

رمضان المبارک کی آمد دراصل ایک ایسے روحانی موسمِ بہار کی آمد ہے، جس کا انتظار اہلِ ایمان پورے سال کرتے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں رحمتوں کی بارش ہوتی ہے، مغفرت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ وہ مقدس زمانہ ہے جس میں بندہ اپنے رب سے قریب تر ہوجاتا ہے، اپنے ماضی کی لغزشوں پر نادم ہوتا ہے اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ گویا رمضان صرف ایک مہینہ نہیں بلکہ ایک مکمل تربیتی نظام ہے، ایک ایسی درسگاہ ہے جہاں انسان کو تقویٰ، صبر، اخلاص اور انسانیت کا سبق سکھایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رمضان المبارک کا استقبال محض ظاہری تیاریوں کا نام نہیں بلکہ اس کے لئے دل، دماغ اور کردار کی تیاری ضروری ہے۔ آج ہم رمضان کے استقبال میں گھروں کی صفائی، کھانوں کی فہرست، بازاروں کی رونق اور ظاہری اہتمام کو تو بڑی اہمیت دیتے ہیں، مگر اپنے دل کی اصلاح، اپنے اعمال کی درستگی اور اپنے باطن کی پاکیزگی کی طرف کم توجہ دیتے ہیں، حالانکہ اصل مطلوب یہی ہے۔

رمضان کی آمد سے پہلے ہمیں سب سے پہلے اپنے دل کی اصلاح کرنی چاہئے۔ دل ہی وہ مرکز ہے جہاں سے تمام اعمال کی بنیاد پڑتی ہے۔ اگر دل پاک ہو، نیت خالص ہو اور ارادہ مضبوط ہو تو اعمال خود بخود سنور جاتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے دل کو حسد، کینہ، بغض، تکبر اور دنیا کی بے جا محبت سے پاک کریں۔ ایک ایسا دل جو نفرتوں سے بھرا ہو، وہ رمضان کی برکتوں سے کیسے فیض یاب ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اپنے اعمال کا جائزہ لینا بھی بے حد ضروری ہے۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہماری نمازوں کا کیا حال ہے، کیا ہم نمازوں کو اس کے وقت پر ادا کرتے ہیں یا محض ایک رسم کے طور پر نبھاتے ہیں، کیا ہم قرآن سے تعلق رکھتے ہیں یا وہ صرف رمضان میں ہی کھلتا ہے، کیا ہماری زبان جھوٹ، غیبت اور فضول گفتگو سے محفوظ ہے؟ اگر نہیں، تو رمضان کی آمد سے پہلے ہمیں ان تمام امور کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، اور ہمیں اپنے معاملات کو بھی درست کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ معاملات کی درستگی کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتا ہے۔ آج بہت سے لوگ نماز اور روزوں کا اہتمام تو کرتے ہیں، مگر معاملات میں خیانت، دھوکہ، سود، ظلم اور حق تلفی سے باز نہیں آتے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے اعمال رمضان کی روح کو مجروح کر دیتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے لین دین، کاروبار، وعدوں اور تعلقات کو شریعت کے مطابق درست کریں۔

خاص طور پر ہمیں اس بات پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کہ کہیں ہم کسی پر ظلم تو نہیں کررہے ہیں، کسی کا حق تو نہیں مار رہے ہیں، کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچا رہے، کیونکہ حقوق العباد کا معاملہ نہایت سنگین ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف فرما سکتا ہے، مگر

بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک وہ بندہ خود معاف نہ کرے۔ لہٰذا رمضان سے پہلے ہمیں چاہئے کہ ہم لوگوں کے حقوق ادا کریں، معافی مانگیں اور دلوں کو تمام آلودگیوں سے صاف کرلیں۔ معاشرتی زندگی کی اصلاح بھی رمضان کے استقبال کا ایک اہم پہلو ہے۔ ہمیں اپنے خاندان، پڑوسیوں، دوستوں اور معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ حسنِ سلوک کا رویہ اپنانا چاہئے۔ رمضان ہمیں صرف عبادت کا نہیں بلکہ انسانیت کا بھی درس دیتا ہے۔ بھوکے رہ کر ہمیں بھوکوں کا احساس ہوتا ہے، پیاس برداشت کرکے ہمیں پیاسوں کی تکلیف کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ مہینہ ہمیں ہمدردی، ایثار اور قربانی کا سبق دیتا ہے۔

رمضان المبارک کا ایک اہم تقاضہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنے وقت کی قدر کریں۔ آج ہماری زندگی کا بڑا حصہ فضول مشاغل، موبائل، سوشل میڈیا اور غیر ضروری مصروفیات میں ضائع ہوجاتا ہے۔ رمضان ہمیں سکھاتا ہے کہ وقت کو قیمتی بنائیں، اسے ذکر، تلاوت، دعا اور عبادت میں صرف کریں۔ جو شخص رمضان میں بھی اپنے وقت کی قدر نہ کرے، وہ درحقیقت ایک عظیم نعمت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس مبارک مہینے کی عظمت کا اندازہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ گویا ہر طرف نیکی کا ماحول پیدا کر دیا جاتا ہے، اب یہ بندے پر منحصر ہے کہ وہ اس ماحول سے فائدہ اٹھاتا ہے یا نہیں۔

اسی طرح ایک نہایت عبرت انگیز حدیث وہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے منبر پر چڑھتے ہوئے تین مرتبہ ''آمین'' فرمایا۔ صحابہ کرامؓ کے سوال کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے بددعا دی کہ وہ شخص ہلاک ہو جو رمضان کو پائے اور اپنی مغفرت نہ کرا سکے، تو میں نے اس پر آمین کہا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب اللہ کے نبی ﷺ ایسے شخص کے لئے آمین کہیں جو رمضان میں بھی مغفرت حاصل نہ کر سکے، تو اس کی محرومی کتنی بڑی ہوگی! یہ حدیث ہمیں جھنجھوڑتی ہے کہ ہم اس مہینے کو معمولی نہ سمجھیں بلکہ اسے اپنی زندگی کا فیصلہ کن موڑ بنائیں۔

رمضان دراصل اپنے آپ کو بدلنے کا مہینہ ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب بندہ اپنے ماضی کو پیچھے چھوڑ کر ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکتا ہے۔ اگر ہم نے اس مہینے کو صرف کھانے پینے، سونے جاگنے اور ظاہری عبادات تک محدود کر دیا تو ہم اس کے اصل مقصد سے محروم رہ جائیں گے۔ رمضان کا اصل مقصد تقویٰ کا حصول ہے، جیسا کہ قرآن میں واضح کیا گیا ہے کہ روزے تم پر اس لئے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

تقویٰ دراصل ایک کیفیت کا نام ہے، ایک ایسی اندرونی حالت جس میں بندہ ہر وقت یہ محسوس کرتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے تو انسان خود بخود گناہوں سے بچنے لگتا ہے اور نیکیوں کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ رمضان اسی کیفیت کو پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ہمیں چاہئے کہ رمضان سے پہلے ہی ایک عملی منصوبہ بنالیں۔ مثلاً:

روزانہ قرآن کی تلاوت کا ایک خاص حصہ مقرر کریں۔

پانچوں نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

تہجد اور نوافل کی عادت ڈالیں۔

صدقہ وخیرات میں اضافہ کریں۔

اپنی زبان کو قابو میں رکھیں۔

یہ تمام امور ہمیں رمضان سے حقیقی فائدہ اٹھانے میں مدد دیں گے۔

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ رمضان ہمیشہ نہیں رہتا، یہ چند دنوں کا مہمان ہے۔سوال یہ ہے کہ جب یہ مہینہ رخصت ہوگا تو کیا ہم ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے تھے، یا ہماری زندگی میں کوئی حقیقی تبدیلی آئے گی؟ کامیاب وہی ہے جو رمضان کے بعد بھی اپنی زندگی کو اسی نہج پر قائم رکھے جو اس نے اس مہینے میں اختیار کی تھی۔

آیئے ہم عہد کریں کہ اس رمضان کو اپنی زندگی کا ایک نیا آغاز بنائیں گے۔اپنے دلوں کو صاف کریں گے، اپنے اعمال کو درست کریں گے، اپنے معاملات کو سنواریں گے، لوگوں کے حقوق ادا کریں گے اور اپنے رب کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کریں گے۔اگر ہم نے ایسا کرلیا تو یقیناً یہ رمضان ہمارے لئے مغفرت، رحمت اور نجات کا ذریعہ بن جائے گا، اور یہی اس مہینے کا اصل مقصد ہے۔

****

صفحہ: ۱۳ ؍ کا بقیہ

پھر حوریں کہتی ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اپنے بندوں میں سے ہمارے لیے شوہر بنادے کہ ان (کی ہم نشینی) سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کی آنکھیں ہمارے (ملنے) سے ٹھنڈک پائیں۔"(شعب الایمان)

رمضان المبارک کے مہینے میں نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کی ادائیگی کا ثواب ستر فرض ادا کرنے کے برابر ہے۔حدیث میں اس کے پہلے عشرہ کو رحمت، دوسرے عشرہ کو بخشش اور تیسرے عشرہ کو دوزخ کی آگ سے نجات قرار دیا گیا ہے۔یہ اور اس طرح کے کئی فضائل ومناقب رمضان المبارک اور اس کے روزہ کے سلسلے میں وارد ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان المبارک کی قدر ومنزلت پہچاننے اور اس مبارک مہینے میں اعمال صالحہ کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔وما توفیقي إلا باللہ، علیہ توکلت وإلیہ أنیب

استقبال رمضان

عمر فاروق ندوی فتحپوری

ماہ رمضان المبارک کواللہ رب العزت نے بہت سی خصوصیات وامتیازات سے نوازا ہے،من جملہ ان امتیازات کے یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی آخری اور عالمی وانقلابی کتاب اور دستور ہدایت کواسی متبرک مہینے میں آسمان دنیا پر نازل فرما۔یا ارشاد باری تعالیٰ ہے:"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ"(البقرہ)(رمضان وہ مہینہ ہے جس میں نازل کیا گیا قرآن،جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کی واضح دلیل اور حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے)مزید برآں اللہ رب العزت اس اس ماہ میں ایک ایسی عظیم الشان رات رکھی ہے،جو ہزار مہینوں سے افضل اور برتر ہے۔چنانچہ سورۃ القدر میں اللہ نے فرمایا:

"اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ"(بلاشبہ ہم نے اس (قرآن) کوشبِ قدر میں نازل کیا ہے۔اور آپ کو کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا ہے؟شبِ قدر (فضیلت وبرکت میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔اس میں فرشتے اور روح (جبرائیل علیہ السلام) اپنے رب کے حکم سے ہر کام (کے فیصلے) کے لیے اترتے ہیں۔یہ رات سراسر سلامتی ہے،طلوعِ فجر ہونے تک۔

اس مہینے کی خاص عبادت روزہ۔جس کی حکمت مشروعیت میں اللہ نے ایک عظیم وجلیل مقصد بیان فرمایا ہے،ارشاد ہے:" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ" [البقرہ:۱۸۳](اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے تا کہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔)اسی طریقہ سے صبر وتوکل،زہد وقناعت،موانست وہمدردی،خیر خواہی وخیر سگالی،نیکی وبھلائی،صدیقہ وخیرات،جود وسخا،اصلاح وارشاد اور انفاق فی سبیل اللہ کی کثرت اس ماہ ایسی محبوب عبادات ہیں،جو بندے کو اللہ سے قریب تر کر دیتی ہیں،اس مہینے کا پہلا عشرہ رحمت،کا دوسرا مغفرت کا اور تیسرا عشرہ جہنم خلاصی کا ہے،حدیث میں ہے:"وهو شهر أوله رحمة وأوسطه مغفرة وآخره عتق من النار"اس مہینے میں فرائض کا ثواب ۷۰ درجہ اور نوافل کا ثواب فرائض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ اب ہماری اخلاقی وقانونی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اس ذات بابرکت کا شکر بجالائیں جس نے ہمیں اس متبرک مہینے کی دولت سے سرفراز فرمایا اور زندگانی میں ایک مرتبہ پھر اس نعمت غیر مترقبہ سے لطف اندوز ہونے کی توفیق بخشی ہے،ہم خوب بڑھ چڑھ اس متبرک ماہ کا شایان شان پر تپاک استقبال کریں اور اسکے حقوق وفرائض کی مکمل ادائیگی کا اہتمام کریں صوم وصلاۃ،تراویح،تلاوت قرآن،ترک مالایعنی اور اعمال صالحہ کی کثرت جیسی صفات حمیدہ کی سوغات اس کے اکرام میں پیش کریں۔

طلبہ کے حقوق

احادیثِ نبویہ اور اسلاف کے فرمودات کی روشنی میں

مولانا عصمت اللہ نظامانی

حضراتِ اساتذہ کرام کے حقوق اوران کے ادب واحترام سے متعلق معاشرہ میں کچھ حد تک شعور بیدار کردیا گیا ہے، اور طلبۂ عظام کو اس بارے میں اچھی آگاہی دی گئی ہے، بلکہ اس موضوع پر کئی کتابیں، مضامین اور مقالات لکھے جاچکے ہیں، جن سے استاذ کی اہمیت اور عزت وعظمت معلوم ہوتی ہے، اور والدین وسرپرست حضرات بھی اپنے بچوں کو استاذ کے بلند مقام ومرتبہ کے بارے میں بتاتے رہتے ہیں، مگر طالب علموں کے کیا حقوق ہیں؟ ان کی تکریم وتوقیر سے متعلق احادیث وآثار میں کیا تعلیمات آئی ہیں؟ ہمارے اسلاف واکابر اپنے شاگردوں کے ساتھ کس طرح معاملہ کرتے تھے؟ اس بارے میں افسوس ناک حد تک علم وآگہی کی کمی دیکھنے میں آرہی ہے۔

طلبہ کے حقوق سے ناآشنائی وناواقفی کے بدنتائج آئے دن اخبارات ودیگر ذرائع ابلاغ وغیرہ میں پڑھنے اور سننے کو ملتے رہتے ہیں، خصوصاً کچھ عصری تعلیم کے اداروں اور بعض مکاتبِ قرآنی میں طلبہ کے حقوق کی پامالی ناگفتہ بہ حالت تک پہنچ چکی ہے، چنانچہ کہیں تو چھوٹے بچوں کو انتہائی بربریت وسفاکی کے ساتھ مار کٹائی کرکے شہید کردینے کی خبریں گردش کررہی ہیں، تو کہیں شاگردوں کے جنسی استحصال اور ان پر ذہنی وجسمانی بہیمانہ تشدد اور انسانیت سوز مظالم کی شہادتیں موصول ہورہی ہیں۔ ان حالات میں ہمیں چاہیے کہ اسلامی تعلیمات اور اپنے اسلاف کے فرمودات کی روشنی میں علم حاصل کرنے والے طلبہ کرام کے حقوق، ان کی توقیر اور اعزاز واکرام سے حضرات معلمین واساتذہ کو آگاہ کریں، اور معاشرے کو معزز طلبہ کی عظمت ورفعتِ شان سے آشنا کریں۔

متعلمین سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل:

معلّمی اور تدریس محض ایک پیشہ نہیں، بلکہ کارِ نبوت اور بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: ''إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً'' (۱) یعنی ''مجھے معلم اور سکھانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' لہٰذا استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیشہ اور فریضۂ تدریس کے تقدّس کا لحاظ رکھے، اوران امور سے بالکل اجتناب کرے، جن سے اس تقدّس کی پامالی ہوتی ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے ساتھ متصف ہونے کی کوشش کرے، اور اسی نہج اور طریقہ پر تدریسی خدمت سرانجام دے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، چنانچہ جب ہم سیرتِ طیبہ میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طلبہ اور سیکھنے والوں کے ساتھ انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے اور ان کے ساتھ

ایک والد کی طرح پیش آتے تھے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: "إنما أنا لکم بمنزلة الوالد أعلمکم" (۲) یعنی "میں تمہارے حق میں باپ کی طرح ہوں، میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔" اور ابن ماجہؒ کی روایت کے الفاظ ہیں: "إنما أنا مثل الوالد لولده أعلمکم" (۳) یعنی "میں تمہارے لیے ایسا ہی ہوں جیسا باپ اپنی اولاد کے لیے، میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں"

لہٰذا اساتذۂ کرام کو بھی سنتِ نبویہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے طلبہ کے ساتھ شفقت، اپنائیت کا برتاؤ کرنا چاہیے، اُن کے ساتھ غیروں اور نوکروں جیسا رویہ اختیار کرنا، ان پر بے جا سختی، اور جسمانی تشدد کرنا، انہیں سب وشتم اور زہر خندہ الفاظ کے گھاؤ لگانا، یا خادموں کی طرح اپنے ذاتی کام طلبہ سے کرانا سراسر غلط اور تعلیمِ نبوی سے روگردانی اور اپنے مقدس پیشہ سے بے وفائی ہے۔

طلبہ کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وصیت:

طالبِ علم کی اس سے بڑی فضیلت کیا ہوگی کہ دونوں جہانوں کے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود معلّمین حضرات کو طلبہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی نصیحت، اور اُن کے ساتھ بھلائی و خیر خواہی کا معاملہ کرنے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: "یأتیکم رجال من قبل المشرق یتعلمون فإذا جاؤوکم فاستوصوا بهم خیرًا، قال: فکان أبو سعید إذا رآنا قال: مرحبًا بوصیة رسول الله صلی الله علیه وسلم۔" (۴) (ترجمہ: مشرق کی جانب سے بہت سے لوگ تمہارے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں بھلائی کی وصیت کرنا۔ راوی کہتے ہیں کہ ابوسعیدؓ جب ہمیں دیکھتے تو فرماتے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق تمہیں خوش آمدید (مرحبا) ہو۔)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے نزدیک عالم اور طالبِ علم کا ثواب برابر:

ایک عالم جس نے محنت ومشقت کے ذریعے علم حاصل کیا، اس کو پاکی ناپاکی، حلال حرام، جائز ناجائز، اچھی بری وغیرہ چیزوں کا علم ہے، وہ با آسانی اپنے علم پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے کام کر سکتا ہے، اور ممنوع کاموں سے بچ سکتا ہے، ایسے شخص کا کتنا بڑا رتبہ ہے!۔ دوسری طرف ایک متعلّم ہے، جس نے ابھی علم کی طلب وتحصیل شروع کی ہے، اس کو جائز ناجائز، حلال وحرام کے بارے میں معلوم نہیں، لیکن وہ یہ چیزیں جاننے اور ان کا علم حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے، طلبِ علم کے سلسلہ میں مقدور بھر کوشش کر رہا ہے، مشقت وتکلیف برداشت کر رہا ہے، وہ اس بات کا علم حاصل کرنے میں سرگرداں ہے کہ کون سی باتوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، رب تعالیٰ نے کن باتوں کا حکم دیا ہے اور کن باتوں سے روکا ہے؟

ان دونوں افراد میں سے ایک بلندی پر ہے، جبکہ دوسرے نے ابھی چلنا سیکھا ہے، بظاہر ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، لیکن حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اجر وثواب کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ سنن الدارمی میں آپ رضی

اللہ عنہ کا قول مذکور ہے: "إن العالم والمتعلم في الأجر سواء۔" (۵) (ترجمہ: عالم اور متعلّم (علم حاصل کرنے والا) دونوں اجر وثواب میں برابر ہیں۔) دنیاوی اعتبار سے اورلوگوں کی نظر میں اگرچہ متعلّم، خصوصاً دینی طالبِ علم کونا قابلِ التفات سمجھا جاتا ہے، انہیں موجودہ معاشرہ میں قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، بلکہ ان پر طنز وتشنیع کے نشتر چلائے جاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بلند رتبہ ہے۔ فی الحال علم نہ ہونے کے باوجود اخلاص کی بدولت علم رکھنے والوں جتنا ثواب ملتا ہے۔

حضرت ابودارداء رضی اللہ عنہ کا طلبہ سے برتاؤ:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں اور طلبہ کے ساتھ بہت انوکھا برتاؤ کرتے، ان کا اعزاز واکرام کرتے، انہیں دیکھتے ہی کھل اُٹھتے اور گرم جوشی سے استقبال کرتے تھے، چنانچہ سنن دارمی میں عامر بن ابراہیمؒ سے منقول ہے: "كان أبو الدرداء رضي الله عنه، إذا رأى طلبة العلم، قال: "مرحبا بطلبة العلم، وكان يقول: إن رسول الله ﷺ أوصى بكم۔" (٦) (ترجمہ: "حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جب طالب علموں کو دیکھتے تو فرماتے: علم کے طلب گاروں کوخوش آمدید۔ اور فرماتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے تمہارے بارے میں (بھلائی کی) وصیت کی تھی۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور طلبہ کی راحت رسانی:

طلبہ کرام کا ایک بڑا حق یہ ہے کہ ان کے آرام اور راحت رسانی کا خیال رکھا جائے، حتی الامکان کوشش کر کے انہیں تکالیف اور پریشانیوں سے بچایا جائے، ان کی اذیت کو استاذ خود پر محسوس کرے، اگر کبھی کسی شاگرد کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کے ازالہ کی کوشش کرے۔ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل قابلِ تقلید ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "أكرم الناس علي جليسي الذي يتخطى رقاب الناس حتى يجلس إلي" (۷) (ترجمہ: میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ اعزاز واکرام والا وہ شخص ہے جو لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر میرے پاس آکر بیٹھتا ہے۔)

یعنی جو حضرات بغرضِ استفادہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں آتے، اور ان کے قریب بیٹھنے کی کوشش کرتے؛ تاکہ مکمل طور پر سہولت کے ساتھ حضرت کے درس سے منتفع ہوسکیں، تو ایسے علم کے شائق افراد کے تلامذہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: وہ سب سے زیادہ قابلِ احترام واکرام ہیں۔

اسی طرح طلبہ کرام کی راحت رسانی کے سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی اساتذہ کرام کے لیے ہمہ وقت مستحضر رکھنے کے قابل ہے، وہ فرماتے ہیں: "لو استطعت ألا يقع الذباب عليه لفعلت، وفي رواية: إن الذباب ليقع عليه فيؤذيني۔" (۸) (ترجمہ: اگر مجھے قدرت ہوتی کہ متعلّم پر مکھی نہ بیٹھے تو مکھی نہ بیٹھنے دیتا، اور ایک روایت میں ہے: بلاشبہ مکھی اس پر بیٹھتی ہے، مگر تکلیف مجھے ہوتی ہے۔)

سبحان اللہ! متعلمین اور طلبہ کا اتنا خیال کہ ان کی ادنیٰ درجہ کی تکلیف بھی اپنے آپ پر محسوس کرنا۔ آج کل کے

حضرات مدرسین کے لیے یہ لمحۂ فکر ہے کہ کیا ان میں یہ صفت پائی جاتی ہے؟ کیا وہ اپنے تلامذہ کو آرام پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں؟ کیا اپنے شاگردوں کی تکالیف دور کرنے، اوران کی پریشانیوں کے خاتمہ کے لیے کوئی اقدام کرتے ہیں؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور طلبہ کے آرام کا خیال:

امیر المؤمنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے اسمِ گرامی سے شاید ہی کوئی نا آشنا ہو، آپ کی صحیح بخاری کو تمام کتبِ احادیث میں منفرد اور اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے مستفیدین اور شاگردوں کے آرام کا بہت خیال رکھتے تھے، اپنے کام خود سرانجام دیتے تھے، چاہے اس کے لیے کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے، چنانچہ ان کے ایک شاگرد محمد بن ابی حاتم وراقؒ (جو امام بخاریؒ کے کاتب بھی تھے) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں ہم ساتھ تھے، تو میں امام بخاریؒ کو دیکھتا کہ وہ بسا اوقات رات کو پندرہ بیس مرتبہ اُٹھتے اور اپنے ہاتھ سے چراغ جلا کر احادیث کی تخریج کرتے، لیکن مجھے نہیں اُٹھاتے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا: "**إنک تحمل علی نفسک کل هٰذا و لا توقظني؟**" یعنی "آپ یہ سب مشقت اپنی ذات پر برداشت کرتے ہیں، مجھے کیوں نہیں اُٹھاتے؟" اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا جواب دیا جس سے واضح ہوتا کہ ان کے ہاں دوسروں کی راحت، بالخصوص طلبہ کے آرام کا کتنا خیال رکھا جاتا تھا، چنانچہ انہوں نے فرمایا: "**أنت شاب فلا أحب أن أفسد علیک نومک۔**" (۹) (ترجمہ: تم جوان آدمی ہو، مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تمہاری نیند خراب کروں۔)

طلبہ کا اکرام کرنا

طلبہ کرام کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ موقع ومحل کے حساب سے ان کا اعزاز و اکرام کیا جائے، ان کی ضروریات کا خیال رکھا جائے، اور اگر ممکن ہو تو ان کے ساتھ مالی تعاون کیا جائے، اور حسبِ وسعت ان کا اکرام کیا جائے۔ اگر ہم اپنے اکابرین (جن کے ہم نام لیوا ہیں) کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں اور ان کی تدریسی زندگی کا جائزہ لیں تو ہم پر واضح ہوگا کہ وہ خوش دلی سے اپنے طلبہ اور شاگردوں کا اکرام کرتے اور بوقتِ حاجت ان کی مالی مدد کرتے تھے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے: "**کان أبو حنیفة أکرم الناس مجالسة و أشدهم إکراماً لأصحابه۔**" (۱۰) (ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ ہم نشینی کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے اکرام والے تھے، اور اپنے ساتھیوں وتلامذہ کا بہت زیادہ اکرام کرتے تھے۔)

اسی طرح ان کے تلمیذ رشید امام محمدؒ میں بھی یہ عمدہ وصف نمایاں طور پر پایا جاتا تھا، جس کی وضاحت درجِ ذیل دو واقعات سے بخوبی ہوتی ہے:

۱- ایک مرتبہ امام محمدؒ کے مشہور شاگرد اسد بن فرات اپنے استاذ کے درس میں شریک تھے کہ اتنے میں ایک سبیل کا

پانی تقسیم کرنے والا آواز لگاتا ہوا آیا، یہ دوڑ کر وہاں گئے اور پانی پیا، جب واپس آئے تو امام محمدؒ نے انہیں اس پر تنبیہ کی، اس پر انہوں نے بتایا کہ وہ مسافر ہیں، لہٰذا پیاس کی وجہ سے انہیں سبیل کا پانی پینا پڑا، پھر وہ فرماتے ہیں:

''ثم انصرفت فلما کان عند اللیل إذا أنا بإنسان یدق الباب، فخرجت إلیه، فإذا خادم محمد بن الحسن فقال: مولاي یقرأ علیک السلام ویقول لک: ماعلمت أنک ابن سبیل إلا في یومي، فخذ هذه النفقة فاستعن بها علی حاجتک۔ ثم دفع إلي صرة ثقیلة، فقلت في نفسي: هذه کلها دراهم، ففرحت بها، فلما دخلت منزلي فتحتها، فإذا فیها ثمانون دیناراً۔''(۱۱)

(ترجمہ: میں واپس لوٹا، جب رات کا وقت ہوا تو ایک شخص دروازہ کھٹکھٹانے لگا، میں نے باہر نکل کر دیکھا تو وہ امام محمدؒ کا خادم تھا، اور کہہ رہا تھا کہ میرے مالک نے آپ کو سلام کیا ہے، اور کہا ہے کہ مجھے یہ بات آج ہی معلوم ہوئی ہے کہ آپ مسافر ہیں، لہٰذا یہ کچھ نفقہ لیجیے، اور اس کے ذریعے اپنی ضروریات پوری کرنے میں مدد حاصل کیجیے، پھر اس نے ایک بھاری تھیلی مجھے دی، میں نے دل میں کہا کہ یہ سب درہم ہوں گے، لہٰذا میں خوش ہوا، جب گھر جا کر میں نے اُسے کھولا تو اس میں اسی (۸۰) دینار تھے۔)

۲- امام محمدؒ کے امام شافعیؒ کے ساتھ مالی تعاون کرنے کے بارے میں ابوعبیدؒ کہتے ہیں: **''رأیت الشافعي عند محمد بن الحسن وقد دفع إلیه خمسین دینارًا وقد کان دفع إلیه قبل هذا خمسین درهماً۔''(۱۲)** (میں نے امام شافعیؒ کو امام محمدؒ کے پاس دیکھا تھا، امام محمدؒ نے انہیں پچاس دینار دیے تھے، اور اس سے پہلے بھی انہوں نے پچاس درہم دیے تھے۔)

طلبہ کی گرفت اور تادیبی کارروائی:

طلبہ کرام کے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کسی طالبِ علم سے کوئی غلطی صادر ہو، وہ درس کو سنجیدگی سے نہ لے رہا ہو، ساتھیوں کو تنگ کر رہا ہو، یا تحصیلِ علم کے منافی دوسرے کاموں میں مشغول ہو تو ایسی صورت میں حسبِ مصلحت شریعت کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اس کو سزا دی جائے۔ غلطیوں اور کوتاہیوں کے باوجود سزا نہ دینا، اور چشم پوشی وتسامح سے کام لینا طالبِ علم کے ساتھ خیر خواہی نہیں، بلکہ اس کے لیے نقصان دہ ہے۔

سزا دینے کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ مار کٹائی کی جائے، تیز وتند جملے کسے جائیں، بلکہ ناراضگی کا اظہار کرنا، سخت الفاظ میں تنبیہ کرنا، وغیرہ بھی کافی ہو سکتا ہے۔ حقیقی طالبِ علم فوراً متنبہ ہو جائے گا، اور اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ اور یہی طرز ہمارے اکابرین کا رہا ہے، چنانچہ مشہور ومعروف محدث عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کی مجلسِ درس میں ایک طالب علم دورانِ درس ہنسا، انہوں نے ہنسنے والے کے بارے میں پوچھا تو دوسرے طالب علموں نے اشارہ کر کے بتایا کہ یہ ہنسا ہے، اس پر علامہ عبدالرحمٰن بن مہدیؒ نے فرمایا:

"تطلب العلم و أنت تضحک، لا حدثتکم شهراً۔" (۱۳) (علم طلب کررہے ہو اور ہنس بھی رہے ہو، میں ایک مہینہ تم سے حدیث بیان نہیں کروں گا۔)

شاگرد کو غلطی پر سزا دینے سے متعلق ایک دوسرا قصہ یہ ہے کہ مشہور محدث سفیان بن عیینہؒ ایک مرتبہ احادیث کا درس دے رہے تھے، درمیان میں ایک آدمی نے کسی حدیث کے بارے میں ان سے کہا: "ھذا الحدیث معاد"، یعنی یہ حدیث دوبارہ دہرائی گئی ہے۔ یہ بات حضرت ابن عیینہؒ کو ناگوار لگی تو انہوں نے فرمایا: "واللہ لا حدثتکم کذا و کذا أتقول لحدیث رسول اللہ معاد؟" (۱۴) (اللہ کی قسم! میں تم سے اتنا وقت احادیث بیان نہیں کروں گا، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے بارے میں کہہ رہے ہو کہ وہ دہرائی گئی ہے؟) ان کا مقصد تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ جتنی بار سنائی جائیں، انہیں شوق ورغبت سے سنا جائے، بوجھ نہ سمجھا جائے، نہ یہ کہ جب دوسری بار سنائی جائے تو دوبارہ دہرائے جانے کی شکایت شروع کردی جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ شفقت واپنائیت اور عزت واکرام کے ساتھ طلبہ کرام کو پڑھائیں، اور ان کے ساتھ اپنی اولاد کی طرح معاملہ کریں، بے جا تشدد اور مار کٹائی سے اجتناب کرتے ہوئے کارِ نبوت کو انجام دیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱- سنن ابن ماجة، (۱/۸۳)، باب في فضل العلماء والحث علی طلب العلم۔ ۲- سنن أبي داود، (۱/۷)، کتاب الطهارة، باب کراهیة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة۔ ۳- سنن ابن ماجة، (۱/۱۱۴)، کتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالحجارة۔ ۴- سنن الترمذي، (۵/۳۰)، کتاب العلم، باب ما جاء في الاستیصاء بمن یطلب العلم، رقم الحدیث: ۲۶۵۱۔ ۵- سنن الدارمي، (۱/۳۵۳)، باب في فضل العلم والعلماء، رقم الحدیث: ۳۳۷۔ ۶- سنن الدارمي، (۱/۳۶۵)، باب في فضل العلم والعالم، رقم الحدیث: ۳۶۰۔ ۷- روضة العقلاء ونزهة الفضلاء لأبي حاتم الرازي، (ص: ۱۱۷)، ذکر الحث علی زیارة الإخوان وإکرامهم۔ ۸- موسوعة الأخلاق والزهد والرقائق لیاسر عبد الرحمٰن، (۲/۲۴۷)۔ ۹- تهذیب الکمال في أسماء الرجال للمزي، (۲۴/۴۴۸)۔ ۱۰- تذکرة السامع والمتکلم لابن جماعة، (ص: ۸۴)، الباب الثانی، الفصل الثالث۔ ۱۱- ریاض النفوس لأبي بکر المالکي، (۱/۲۵۸)۔ ۱۲- تاریخ دمشق لابن عساکر، (۵۱/۲۹۶)۔ ۱۳- الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطیب البغدادي، (۱/۱۹۳)۔ ۱۴- الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطیب البغدادي، (۲/۲۱۱)۔

حق وصداقت کا معیار؟

حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری

دنیا میں موجود انسانوں میں سے ہر ایک اپنے موقف کو حق، سچ اور صحیح جانتا و مانتا ہے، اور وہ اپنے موقف کی صحت، صداقت وحقانیت پر دلائل، براہین اور شواہد وقرائن جمع کرتا ہے۔ چنانچہ انسانی تاریخ کا جائزہ لیجئے اور قرآن وحدیث کا مطالعہ کیجئے! تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک اپنے اپنے موقف ومسلک پر مطمئن ومسرور ہے بلکہ اس پر فریفتہ ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

”مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ“ (الروم:۳۲)

(ترجمہ: جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہوگئے ان میں بہت فرقے، ہر فرقہ جو دین اس کے پاس ہے، اس پر فریفتہ ہے۔)

اس ساری صورت حال کی وجہ اور سبب یہ ہے کہ شیطان ملعون ہر ایک کو اس کے اعمال وعقائد، خوش نما اور مزین کرکے دکھاتا ہے، چنانچہ ایک طرف اگر مسلمان اور اہل حق اپنے موقف کی حقانیت وصداقت کو قرآن وحدیث کے دلائل سے مبرہن کرتے ہیں، تو دوسری طرف اعدائے اسلام، کفار ومشرکین، یہود ونصاریٰ اور ہنود ومجوس بھی اپنے مزعومہ عقائد و اعمال کے لئے دور کی کوڑی لانے کی اپنی سی سعی وکوشش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

۱:......وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ۔ (النمل:۲۴)

(ترجمہ: میں نے پایا وہ، اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوا اور بھلے دکھلا رکھے ہیں، شیطان نے ان کے کام، پھر روک دیا ہے ان کو راستہ سے، سو وہ راہ نہیں پاتے۔)

۲:...... ”فَلَوْ لَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ“ (الانعام:۴۳)

(ترجمہ: پھر کیوں نہ گڑگڑائے، جب آیا ان پر عذاب ہمارا، لیکن سخت ہوگئے دل ان کے اور بھلے کر دکھلائے ان کو شیطان نے جو کام وہ کررہے تھے۔)

۳:......”وَ كَذٰلِكَ زَیَّنَ لِكَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ“ (الانعام:۱۳۷)

(ترجمہ: اور اسی طرح مزین کردیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں ان کی اولاد کے قتل کو۔)

۴:......”كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ“ (الانعام:۱۲۲)

(ترجمہ: اسی طرح مزین کردیئے گئے کافروں کی نگاہ میں ان کے کام۔)

۵:......"وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ"(الانفال:۴۸)

(ترجمہ:اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے ان کی نظروں میں ان کے عملوں کو اور بولا کہ کوئی بھی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے۔)

ایک طرف اگر مسلمان اپنے دین و مذہب' مسلک و موقف اور ایمان و عقیدہ کی سچائی پر قرآن وسنت یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور آسمانی وحی کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں' تو دوسری جانب شیطان بھی اپنے متعلقین و متبعین کو نہایت قوت وشدت سے باور کراتا ہے کہ تم ہی حق پر ہو اس لئے کہ اگر تمہارا موقف غلط اور مسلمانوں کا صحیح و درست ہوتا تو تمہاری کثرت اور مسلمانوں کی قلت کیوں ہوتی؟ تم معزز اور مسلمان ذلیل کیوں ہوتے؟ تم حاکم اور مسلمان محکوم کیوں ہوتے؟ تم جابر اور مسلمان مجبور کیوں ہوتے؟ تم غنی اور مسلمان فقیر کیوں ہوتے؟ تم امیر اور مسلمان غریب کیوں ہوتے؟ تم مدعی اور مسلمان مجرم کیوں ہوتے؟ تم حکمران اور مسلمان تمہاری رعایا کیوں ہوتی' اس کے علاوہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی بجائے اقتصادیات پر تمہارا قبضہ کیوں ہوتا' پوری دنیا میں مسلمانوں کی بجائے تمہارے اقتدار کا سکہ کیوں ہوتا؟

الغرض جس طرح کفار و مشرکین اور عیسائی' وغیرہ اپنی اس عددی کثرت' عزت' اقتدار اور حاکمیت کو اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں' ٹھیک اسی طرح وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے باوجود اسلامی اقدار سے باغی اور تہذیبِ مغرب کے دلدادہ ہیں وہ بھی دین و شریعت کے حامیوں کے خلاف یہی استدلال پیش کرتے ہیں۔

دراصل روزِ اول سے دنیا میں دو طرح کی دعوتیں اور دو قسم کے پروگرام چلے آرہے ہیں' ایک طرف اگر انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت ہے' تو دوسری طرف خواہش پرستوں اور نفس و شیطان کے پجاریوں کی' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت رائج و مروج عقائد' نظریات اور غلط اعمال و افعال کے خلاف ہوتی ہے' تو نفس و شیطان کے پجاریوں اور باطل پرستوں کی عین منشائے شیطان اور ہوا پرستی کے مطابق۔

ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ماحول کا دھارا اور ذوق و مزاج بدلنے کے لئے آتے ہیں۔ جبکہ نفس و شیطان کی دعوت' خواہش پرستوں کے ذوق و مزاج کی تائید و تسکین کے لئے ہوتی ہے' اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ: "چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" بہت آسان ہے اور تہذیب و تمدن کے بہتے دریا کے دھارے پر چلنا سہل اور اس کی مخالفت میں سفر کرنا مشکل' بلکہ حد درجہ صبر آزما ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ "زمانہ ساز" بننا مشکل اور "بزمانہ ساز" نہایت سہل' کیونکہ ابن الوقت...... زمانہ کے مطابق چلنا...... ہونا کمال نہیں' بلکہ ابوالوقت...... جو وقت کو اپنے انداز میں ڈھال لیں...... بننا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

چنانچہ ماحول و معاشرہ میں پہلے سے موجود ذوق و مزاج کی تعلیم و ترویج پر کسی محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی جہالت' لاعلمی' بے شرمی' بے حیائی اور تخریب کاری کے لئے کسی مکتب' مدرسہ جامعہ اور اسکول' کالج اور یونیورسٹی کی

ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ تخریب و بربادی آسان اور حد درجہ سہل ہے جبکہ بگڑے ماحول و معاشرہ کی تعمیر و اصلاح اور خواہش و ہوا پرستی کے سامنے بند باندھنا اور اس کے سامنے رکاوٹ کھڑی کرنا بے حد مشکل اور نہایت ہی محنت طلب کام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت بھٹکتی انسانیت کی اصلاح کے لئے ہوئی ہے جبکہ دوسری طرف کفر شرک بت پرستی قتل و غارت گری زنا کاری بدکاری چوری ڈکیتی بد اخلاقی حیوانیت درندگی اور سفاکی کے لئے کسی کو مامور نہیں کیا گیا اس کے علاوہ مشاہدہ بھی یہی ہے کہ زمین و مکان اور باغ و گلستان کی آبادی و شادابی کے لئے محنت اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے اس کے برعکس اس کے فساد و بگاڑ کے لئے کسی سعی و جدوجہد کی ضرورت نہیں ہوتی اگر اس کو یوں ہی لاوارث چھوڑ دیا جائے تو کچھ ہی عرصہ بعد محل و مکان شکست و ریخت کا شکار اور سرسبز و شاداب باغ و گلستان بنجر ہوجائے گا اس میں طرح طرح کے خودرو پودے جھاڑ جھنکار اور انواع اقسام کی خاردار جھاڑیاں پیدا ہوجائیں گی اور وہ باغ و مکان ایک ویرانہ و جنگل کی شکل اختیار کرلے گا۔

ٹھیک اسی طرح معاشرہ کی اصلاح و تعمیر کے لئے محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس پر تن من دھن کی بازی لگانا پڑتی ہے جبکہ اس کے بگاڑ کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ جس طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت محنت طلب تھی اور معاشرہ کے ذوق و مزاج کے خلاف تھی اور نفس و شیطان کی دعوت عین منشائے نفس و شیطان اور مقتضائے خواہش تھی اور جس طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کی خلافِ مزاج دعوت و محنت پر لبیک کہنے والے کم اور خواہش پرست و آزادی پسند ذوق و مزاج کے ہمنوا زیادہ تھے اگر آج دعوتِ نبوت کے حاملین کی صدا پر لبیک کہنے والے کم اور نفس و شیطان اور خواہش و ذوق کی ہمنوائی کرنے اور ان کا ساتھ دینے والے زیادہ ہوں تو لائق تعجب اور باعث اضطراب نہیں بلاشبہ یہ نہ مقبولیت عنداللہ کی دلیل ہے اور نہ ہی کسی موقف کی صداقت کی علامت بلکہ اس کو اپنی مقبولیت کی دلیل کے طور پر پیش کرنا دراصل مشرکین و معاندین اسلام کی ہم نوائی کے مترادف اور ان کی دعوت و مشن کے غلط اور باطل ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

کیونکہ ان کج فہموں کی دعوت چاہے کتنا ہی خوشنما اور ان کے خیال میں کتنا ہی اچھی کیوں نہ ہو اور ان کا انداز بیان کتنا ہی سحر انگیز کیوں نہ ہو مگر بہر حال وہ سیّد الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور انداز بیان سے زیادہ جاذبِ نظر عمدہ اور اچھا تو نہیں؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلہ میں یا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پروگرام و پیغام کے مقابلہ میں ان کے مخالفین و معاندین کا پروگرام پیغام اور دعوت غلط و باطل تھی تو ان کے متبعین کا پیغام پروگرام اور دعوت انبیاء کے نائبین اور وارثوں کے مقابلہ میں کیونکر اچھی ہوسکتی ہے؟

اگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے اقل قلیل اور کفر و شرک اور بتوں کے بچاریوں کی

کثرت، دلیل کمال نہیں، تو جاہلیت کے علم برداروں کی عددی کثرت دلیل کمال کیوں ہوگی؟ اگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت کی جاسکتی ہے، تو ان کے نائبین کی مخالفت بھی لائق تعجب نہیں، اگر ان کے پروگرام و پیغام سے بے اعتنائی ان کے کمال اور ان کے پیغام و پروگرام کی عظمت کے منافی نہیں، تو ان کے نام لیواؤں کی مخالفت بھی ان کے نقص کی دلیل نہیں ہے، بلکہ ان کے عین حق وصداقت اور جادۂ مستقیم پر کاربند ہونے کی علامت ہے۔

اس لئے اگر کچھ احمق جہالتِ جدیدہ کے علمبرداروں کے اردگرد اکٹھے ہوجائیں؟ تو ان کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے اور انہیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ ہمارے موقف کی حقانیت وصداقت کی دلیل ہے۔ ورنہ پھر انہیں یہ بھی ماننا ہوگا کہ نعوذ باللہ! حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت، پیغام اور پروگرام کے مقابلہ میں معاندین اسلام کا پیغام، پروگرام اور ان کی دعوت حق وسچ تھی، جب ہی تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ماننے والے کم اور ان کے مخالفین ومعاندین زیادہ تھے۔

حالانکہ نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے کہ ایسے انبیاء بھی آئے، جن کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں صرف ایک دو تھے اور بعض ایسے بھی ہوئے، جن کی دعوتِ حق وصداقت پر لبیک کہنے والا ایک بھی نہیں تھا، کیا کہا جائے کہ ان کی دعوت و پیغام میں نقص تھا؟ یا ان کے معاندین ومخالفین ہی محروم القسمت تھے؟

روزِ اول سے حق و باطل کا معیار یہ رہا ہے کہ باطل اور باطل پرستوں کی دعوت خواہشاتِ نفس اور ہوا پرستی کے منشاء کے عین مطابق ہوتی ہے، اس لئے بگڑے ہوئے معاشرہ میں موجود ہوا پرستوں کی اکثریت ان کے ہم دوش ہوجاتی ہے، اس کے برعکس چونکہ حق پرستوں اور داعیانِ حق کی دعوت معاشرہ میں موجود فساد و بگاڑ کی اصلاح اور ہوا پرستی وخواہش پرستی کی مخالفت پر مبنی ہوتی ہے، اس لئے خواہش پرستوں کی اکثریت اس کی مخالفت ومخاصمت پر کمربستہ ہوجاتی ہے۔

ٹھیک یہی فلسفہ آج بھی کارفرما ہے کہ معاشرہ میں حق پرستوں کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی کمی کو بطور معیار استعمال کرکے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم اور ہمارا پروگرام ہی حق وسچ ہے، جب ہی تو ہماری کثرت ہے۔ جو لوگ مسلمانوں اور دین وشریعت کے داعیوں کے مقابلہ میں اپنی عددی کثرت کو معیارِ حق جانتے ہیں، دیکھا جائے تو وہ دراصل اسلام دشمنوں کے پروپیگنڈا کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔

علمائے سلف

مولانا حبیب الرحمن شروانی

طلب علم

علمائے سلف کے جن حالات سے ہم بحث کرنا چاہتے ہیں ان میں طلب علم کو سب سے اول ہم نے قائم کیا ہے۔ اہلِ علم کی زندگی کے مختلف مدارج ہیں۔ یہ منزل سب سے پہلی ہے اور یہ تقدم نہ صرف بلحاظ زمانے کے ہے بلکہ باعتبار اہمیت اور شان کے بھی، کیوں کہ یہی وہ منزل ہے جو اس بات کا فیصلہ کردیتی ہے کہ کون منزل مقصود تک پہنچے گا اور کون حرماں نصیب ہوگا۔ ایک عالم کا ذکر آپ آگے پڑھیں گے کہ ایک شب اپنے دو طالب علموں کو انھوں نے دیکھا کہ ایک تکیہ کا سہارا لیے کتاب دیکھ رہا تھا، دوسرا دوزانوں مستعد مطالعے میں مشغول تھا اور وقتاً وقتاً کچھ لکھتا بھی جاتا تھا۔ جوہر شناس استاد نے یہ ماجرا دیکھ کر اول کی نسبت کہا کہ ”انه لا يبلغ درجة الفضل“ (اس کو فضیلت کا رتبہ حاصل نہ ہوگا۔) دوسرے کی بابت فرمایا کہ ”يحصل الفضل ويكون له شأن في العلم“ (یہ شاندار فاضل ہوگا۔) تجربے نے ثابت کیا کہ پیشن گوئی بالکل سچی تھی۔ پس جو منزل اس طرح آیندہ زندگی کا فیصلہ کردینے والی ہو، اسکے مہتم بالشان ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے! اس طرح منزل کو اگر صرف اول منزل کہہ کر چھوڑ دیا جائے تو ایک پہلو اس کا بیان ہوگا۔

طلب علم کا زمانہ ختم نہیں ہوتا:

جس طرح یہ منزل سب سے اول ہے، اسی طرح سب سے آخر ہے، بلکہ یہ کہنا قطعاً مبالغے سے مبرا ہے کہ باکمال علماء کی زندگی میں اول سے آخر تک یہ منزل ختم نہیں ہوتی۔ آپ آگے صفحوں میں بہت سے واقعات اس دعوے کے تائید میں پائیں گے۔ اہلِ کمال نوے برس کی عمر میں بھی طالب علم تھے، اور جب ان کی روح سکرات تلاطم میں تھی ان کا دل و دماغ خدمت علم میں مصروف تھا۔ ع

مہر تو در وجودم و عشق تو در سرم　　　باشیر اندروں شد و با جاں بدر شود

شیخ الاسلام انصاری نے فرمایا ہے کہ ”هذا الشأن شأن من ليس له شأن سوى هذا الشأن“ (تذکرۃ الحفاظ: ۳/ص: ۱۱۸۶) یعنی طلب علم ان جواں مردوں کا کام ہے جن کو یہی دھن ہو۔

طالب علم کے ادوار:

طالب علم کے مختلف دور ہیں: پہلا دور مکتب یا مدرسے میں استاد کے زیر نگرانی ختم ہوتا ہے اور فی الواقع اس کو بنیاد کمال سے زیادہ کوئی لقب نہیں دیا جاسکتا۔ اگر کوئی شخص ایک عالی شان عمارت کا منصوبہ دماغ میں قائم کرے اور اس کی بنیاد

بھر کر سطح زمین سے کچھ بلند کردے اور اتنی محنت کے بعد وہ یہ خیال کرے کہ میں مکان بنا چکا تو یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ عالی شان عمارت بن چکی ہے۔ چند روز میں ہوا اور بارش کے صدمے اتنی بنیاد کو بھی نسیاً نسیا کردیں گے اور اس کے بانی کی پست ہمتی کی ایک عبرتناک یادگار قائم رہ جائے گی۔ بجنسہٖ یہی حال ان ہونہار طالب علموں کا ہے جو مدرسہ چھوڑ کر یہ سمجھ لیں کہ ہم عالم بن چکے۔ یہ طلبہ بھی اپنی ہونہاری کا خون کر کے اپنے استاد اور دوستوں کے دلوں کو حسرت کا داغ دیں گے۔

دوسرا دور طالب علمی کا مدرسے کے بعد شروع ہوتا ہے جس میں انسان خود شاگرد بنتا ہے اور خود استاد:

معلم کیست عشق و کنج خاموشی دبستانش　　　سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش

زہر کس نایدایں استادشاگردی نہ ہر کوہے　　　بدخشاں باشد و ہر سنگریزہ لعل رخشانش

اس دور کی انتہا وہ ہے جو بلند خیال ابن العلاء نے مقرر کی ہے یعنی: ''**مادامت الحیاۃ تحسن**'' (جب تک زندگی بخیر ہے۔) یہی دور کمال کا دور ہے۔ پس طالب علمی اور کمال گویا ایک ہی ہیں اور اسی لحاظ سے ہم نے طلب علم کو اول اور آخر منزل قرار دیا ہے۔

طلب علم کے صبر آزما لمحات:

جن جواں مردوں نے میدان طلب علم کو طے کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ راہ کیسی معرکہ خیز اور صبر آزما ہے۔ کہیں افلاس کا مردم خوار دیو اپنی منحوس صورت دکھلاتا ہے، اور ''**قوت لا یموت**'' کے حاصل ہونے کی بھی کوئی شکل نظر نہیں آتی؛ کبھی جڑی بوٹی کے پتوں پر بسر کرنی ہوتی ہے اور کبھی نان بائی کی دکان پر صرف بوئے طعام پر قانع ہونا پڑتا ہے؛ کہیں محنت ومشقت سے دل گھبراتا ہے اور چھکے چھوٹتے ہیں؛ کسی کو ناز و نعمت کے کرشمے اپنی طرف کھینچتے، کسی کی نفسانی خواہشیں دست بگریباں ہوتی ہیں۔ غرض ایک ہنگامہ بلاخیز سے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن ارادوں میں ذرا بھی قوت کی کمی ہوتی ہے وہ ان معرکوں کے مقابلے میں پست ہو جاتے ہیں اور ان کی زبان حال پر ''**لا طاقۃ لنا الیوم**'' کا مضمون ہوتا ہے۔

سچی طلب کا کمال:

لیکن سچی طلب اپنا راستہ صاف کر کے طالب کو مطلوب تک پہنچا دیتی ہے۔ جس قدر دقت اور صعوبت پیش آتی ہے ان بہادر طالبوں کے عزم زیادہ مستحکم اور حوصلے زیادہ بلند ہوتے جاتے ہیں۔ اگر حوصلوں میں وسعت اور ارادوں میں استحکام نہ ہوتا تو اہل اسلام کو شیخ الاسلام بقی بن مخلد، امام بخاری اور حکیم ابونصر فارابی نصیب نہ ہوتے۔ کیا چقندر کے پتے اور جنگل کی گھاس کھا کر، اور شب کو پاسبانوں کی لالٹینوں سے مطالعہ کر کے امام اور حکیم بن جانا آسان ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!! وہ کون سی قوت تھی جس نے علی بن عاصم عراقی اور ابن سنجر کو ناز و نعمت کے آغوش دے چھین کر راہ طلب میں سرگرداں کر دیا، اور اتنا پھرایا کہ ایک کو مُسندِ عراق اور دوسرے کو حافظِ کبیر بنا کر چھوڑا۔ بے شک یہ طلبِ صادق ہی کا کرشمہ تھا۔

فقہ وفتاوی

ادارہ

روزہ کی حالت میں نمک چکھنا

سوال......: کیا روزے کی حالت میں نمک چکھا جا سکتا ہے؟

جواب ......: روزہ کی حالت میں بلا ضرورت نمک چکھنا مکروہ ہے، بشرطیکہ نمک کا ذائقہ حلق کے نیچے نہ اترے، اگر نمک کا ذائقہ حلق کے نیچے تک چلا گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

(وکره) له (ذوق شيء و) كذا (مضغه بلا عذر) قيد فيهما قاله العيني ككون زوجها أو سيدها سيئ الخلق فذاقت. وفي كراهة الذوق عند الشراء قولان، ووفق في النهر بأنه إن وجد بدا، ولم يخف غبنا كره وإلا لا وهذا في الفرض لا النفل كذا قالوا وفيه كلام لحرمة الفطر فيه بلا عذر على المذهب فتبقى الكراهة(الدر مع الرد: ۲/۴۱۶۔ جواهر الفقه: ۳/۵۱۸۔)

روزے کی حالت میں ڈائیلیسیز کروانا

سوال......: کیا روزے کی حالت میں ڈائیلیسیز کروا سکتے ہیں؟

جواب......: ڈائیلیسیز (خون کی صفائی) کروانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیوں کہ گردے کی کمزوری وغیرہ اعذار کی بنا پر مشین کے ذریعہ خون کی صفائی کروانے سے کوئی چیز معتاد راستے سے جوفِ معدہ یا دماغ میں داخل نہیں ہوتی، اس لیے روزہ کی حالت میں ڈائیلیسیز کروانا جائز ہے۔

نصف النہار شرعی سے پہلے روزے کی نیت کرنا

سوال......رات کو طبیعت بہت خراب تھی اس لیے سحری کے وقت روزہ کی نیت نہیں کی، لیکن یہ ارادہ تھا کہ اگر طبیعت صبح تک ٹھیک ہوگئی تو زوال سے قبل نیت کرلوں گا، لیکن نیند کی وجہ سے زوال سے قبل روزہ کی نیت نہ کر سکا، بلکہ ایک یا پونے ایک بجے آنکھ کھلی تو نیت کی، کیا میرا یہ روزہ ہوگا یا زوال سے قبل نیت نہ کرنے کی وجہ سے شمار نہ ہوگا؟

جواب......روزے کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ غروبِ آفتاب کے بعد سے لے کر ضحوۂ کبریٰ سے ذرا پہلے تک روزے کی نیت کر لی جائے، ضحوۂ کبریٰ سے مراد نصف النہار شرعی ہے، صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک شرعی دن ہے اور اس کا نصف ضحوۂ کبریٰ اور نصف النہار شرعی ہے، پس روزہ کی نیت کا آخری وقت نصف النہار شرعی سے ذرا پہلے تک ہے، اگر نصف النہار شرعی ہونے پر یا اس کے بعد نیت کی تو روزہ صحیح نہیں ہوگا۔ لہٰذا اگر آپ کا غالب گمان یہ ہے کہ آپ

نے نصف النہار شرعی سے ذرا پہلے تک نیت کرلی تھی تو اس دن آپ کا روزہ شمار ہوگا، ورنہ نہیں۔

سحری کے بغیر روزہ رکھنا

سوال......ایک شخص روزے رکھتا ہے اور اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ سحری نہیں کرتا اور شام کو صرف پانی سے افطار کرتا ہے، کیا اس طریقہ سے روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب...... مذکورہ طریقہ کے مطابق روزے رکھنا اگرچہ جائز ہے، لیکن مناسب ہے کہ سحری بھی کرے، احادیث مبارکہ میں سحری کے بارے میں بہت فضیلت آئی ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "ہمارے اور اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کے روزوں کے درمیان سحری کرنے اور نہ کرنے کا فرق ہے، کہ وہ سحری نہیں کرتے اور ہم کرتے ہیں"، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سحری کھایا کرو، اس لیے کہ سحری کھانے میں برکت ہے"۔

رمضان میں بوقتِ سحری اذان کے دوران کھانا پینا

سوال......ہمارے ہاں عموماً لوگ رمضان المبارک میں سحری کے وقت اذانوں کے ہوتے ہوئے بھی کھانا پینا جاری رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اذان کے ختم ہونے تک کھانا پینا جائز ہے، کیا ان کا یہ عمل درست ہے یا اس سے روزے میں خلل واقع ہوتا ہے؟ اور اذان کے وقت کھانے والے کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب......لوگوں کا اذان کے دوران کھانا پینا غلط ہے اور اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ہاں اگر یہ امر یقینی ہو کہ اذان سحری کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہوئی ہے، تو ایسی صورت میں روزہ تو درست ہو جائے گا، لیکن اذان واجب الاعادہ ہوگی۔ لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اذان وقت کے اندر ہی دی جاتی ہے، اس لیے اذان کے دوران کھانے، پینے سے اجتناب بہرحال لازم ہے، احتیاط تو اس میں ہے کہ اذان سے چند منٹ پہلے ہی کھانا پینا بند کر دیا جائے۔

روزے کی حالت میں کان، ناک اور آنکھ میں دوا ڈالنا

سوال......روزے کی حالت میں کان، آنکھ اور ناک میں دوا ڈالنا کیسا ہے؟

جواب......کان اور ناک میں مائع دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، البتہ خشک دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، مگر یہ کہ دماغ یا معدہ تک پہنچنے کا یقین ہو جائے، اور آنکھ میں کسی بھی قسم کی دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

روزے کی حالت میں انہیلر کا استعمال

سوال......"اِن ہیلر" جو ایک آلہ ہے، جس کے دبانے سے ایک گیس نکلتی ہے، جو منہ میں داخل کی جاتی ہے، جس سے سانس کی تکلیف دور ہوتی ہے، اور دورانِ روزہ مریض اس کو استعمال نہ کرے تو سخت تکلیف ہو جاتی ہے، بسا اوقات سانس بند ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اب بعد میں قضاء بھی نہیں رکھ سکتا، تو ایسی صورت میں دورانِ روزہ "ان ہیلر"

استعمال کرے تو کیا اس کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

جواب...... روزے کی حالت میں ان ہیلر کے استعمال کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ اس میں عام طور پر دوا کے ذرات ہوتے ہیں، اگر ابھی اس آلے کے استعمال کے بغیر روزہ نہیں رکھ سکتا تو روزہ نہ رکھے، بعد میں جب بھی صحیح ہو جائے قضاء اس کے ذمہ لازم ہے، اور اگر اس کو ایسا موقع نہیں ملا تو پھر فدیہ ادا کرے، لیکن اگر فدیہ ادا کرنے کے بعد صحیح ہو گیا تو وہ فدیہ نفلی صدقہ شمار ہو جائے گا اور اس پر قضاء لازم ہو گی۔

حالتِ روزہ میں برش اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال

سوال...... روزے کی حالت میں برش اور منجن استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب...... روزے کی حالت میں اگر برش ٹوتھ پیسٹ کے ساتھ استعمال کیا جائے تو روزہ مکروہ ہو گا، اور اگر کوئی چیز حلق سے نیچے چلی گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن بغیر ٹوتھ پیسٹ کے صرف برش استعمال کیا جائے تو اس میں کراہت نہیں۔ اسی طرح منجن وغیرہ کا استعمال بھی روزے کی حالت میں مکروہ ہے۔ البتہ مسواک کا استعمال مسنون ہے۔

روزے کی حالت میں انجکشن لگانا

سوال...... اگر رمضان المبارک میں کوئی آدمی بیمار ہو جائے اور اس کو انجکشن لگانے کی ضرورت پڑ جائے، بعض مریضوں کو انجکشن لگانے سے ری ایکشن کا خطرہ ہو تو اس صورت میں انجکشن لگانا جائز ہے یا نہیں؟ ری ایکشن کی صورت میں گلوکوز اور طاقت کے انجکشن کی ضرورت بھی ہوتی ہے، اس کا لگانا کیسا ہے؟

جواب...... انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے گلوکوز کا ہو یا طاقت کا، اس لیے کہ روزہ ٹوٹنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی چیز جسم میں موجود قدرتی راستوں کے ذریعے معدے یا دماغ تک پہنچے، جب کہ انجکشن کے ذریعے دوا رگوں یا مسامات کے ذریعے جسم کے اندر پہنچتی ہے، اصلی راستوں سے نہیں، لہٰذا اس سے روزے پر اثر نہیں پڑتا۔

قے کرنے سے روزے کا حکم

سوال...... کیا قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب...... اگر قے منہ بھر کر آئی اور ایک چنے کی مقدار یا اس سے زائد عمداً واپس لوٹالی تو روزہ ٹوٹ گیا، قضاء لازم ہے، کفارہ نہیں اور اگر جان بوجھ کر منہ بھر قے کی تو اس صورت میں بہر حال روزہ فاسد ہو جائے گا اگر چہ واپس نہ لوٹائے، البتہ اگر خود بخود قے ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹنا چاہیے منھ بھر کر ہو یا اس سے کم۔

بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا

سوال...... ایک طویل عرصہ سے بیوی شوگر کی مریضہ ہے، اب چوں کہ بیماری پرانی ہونے کے ساتھ ساتھ کمزوری بھی بہت زیادہ ہو گئی ہے، روزہ رکھنے سے مرض میں شدت آجاتی ہے یا کمزوری بڑھ جاتی ہے اور آئندہ

روزوں کی قضاء بھی بظاہر مشکل ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب......صورت مسئولہ میں روزہ رکھنے سے اگر بیماری میں اضافے کا خطرہ ہے تو شرعاً ان کو اجازت ہے کہ وہ صحت مند ہونے تک روزہ نہ رکھیں، جب ٹھیک ہوجائیں تو ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کریں، البتہ اگر صحت مند ہونے کی کوئی امید نہ ہو اور آخر دم تک روزہ رکھنے کی طاقت لوٹنے سے بالکل مایوسی ہو، چھوٹے اور ٹھنڈے ایام میں بھی روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو ایسی صورت میں قضاء شدہ اور آنے والے فرض روزوں کا فدیہ دے دیا جائے اور ایک روزے کے عوض میں ایک صدقۃ الفطر کی رقم کے برابر کسی مسکین کو دینا ضروری ہے۔

مروجہ قضائے عمری

سوال......بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی سے عمر بھر کی نمازیں قضاء ہوگئی ہوں تو رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں نماز جمعہ کے بعد چار رکعت یا بارہ رکعت قضاء کی نیت سے پڑھے تو قضاء نمازوں سے اس کا ذمہ بری ہوجاتا ہے اسے "قضائے عمری" کہا جاتا ہے۔ تو کیا ایسی قضائے عمری درست ہے اور اس کا کوئی ثبوت قرآن وحدیث سے ہے یا نہیں؟

جواب......واضح رہے کہ سوال میں مذکور مروّجہ قضائے عمری کا ثبوت قرآن وحدیث اور کتبِ معتبرہ میں نہیں، قضاء نمازوں کے بارے میں شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ قضاء نماز پہلی فرصت میں ادا کرلی جائے، چاہے نماز کا وقت ہو یا نہیں (سوائے اوقاتِ مکروہہ کے)، اسی طرح نوافل کے بجائے قضاء پڑھ لیا کرے، اور اگر کسی کا اس حالت میں انتقال ہو جائے کہ قضاء نمازیں اس کے ذمے باقی ہوں تو ہر نماز کے بدلے میں صدقۂ فطر کی رقم کے برابر فدیہ ادا کیا جائے۔ لہٰذا سوال میں جو طریقہ مذکور ہے وہ غلط اور بدعت ہے اور لوگوں کو نماز کے ترک کرنے پر جری بنانا ہے، اسی طرح شریعت مطہرہ پر بہتان اور اس میں دخل اندازی کے مترادف ہے، لہٰذا ایسی مہمل باتوں پر عمل اور یقین نہ کیا جائے۔

نابالغ کے پیچھے نمازِ تراویح

سوال......اگر کوئی بچہ بلوغت کے قریب ہو، مثلاً: ۱۲ / ۱۳ر برس کا ہو تو رمضان المبارک کے مہینے میں اس کا تراویح میں قرآن مجید سنانا کیسا ہے؟ اور یہ خوف ہو کہ قرآن نہ سنانے کی صورت میں قرآن بھول جائے گا، اور یہ بھی فرمائیں کہ اس کے پیچھے تراویح پڑھنا بہتر ہے، یا اکیلے، یا "الم تر کیف" کے ساتھ، کون سا طریقہ افضل ہے؟

جواب...... ۱۲ / ۱۳ر برس کے نابالغ بچے کی اقتدا میں تراویح کی نماز درست نہیں۔ قرآن کریم کی پختگی کے لیے متبادل انتظام کرلیا جائے، یعنی کسی استاذ کو قرآن کریم سنائے، یا کسی طالب علم کے ساتھ دور کرے۔ "الم تر کیف" کی سورتوں سے اگر تراویح پڑھانے والا موجود ہو تو تراویح جماعت سے پڑھنی چاہیے، ورنہ اکیلا پڑھ لے، بچے کے پیچھے تراویح نہیں ہوتی۔

افسانہ

قصہ چہار درویش

قسط: ۸ از: میر امن دہلوی

سیر پہلے درویش کی: (گذشتہ سے پیوستہ) اتنے کہنے پر مُسکرا کر فرمایا، بھلا، کوئی ہو، اِسے دار الشِفا میں رکھو، جب بھلا چنگا ہوگا تب اس کے احوال کی پرسش کی جائے گی۔ خوجے نے کہا اگر اپنے دستِ خاص سے گلاب اِس پر چھڑکیے اور زبان سے کچھ فرمایئے تو اس کو اپنے جینے کا بھروسا بندھے، ناامیدی بُری چیز ہے، دنیا بہ امید قائم ہے۔ اس پر بھی اُس پری نے کچھ نہ کہا۔ یہ سوال و جواب سن کر میں بھی اپنے جی سے اُکتا رہا تھا۔ نِدھڑک بول اٹھا کہ اب اِس طور کی زندگی کو دل نہیں چاہتا۔ پانو تو گور میں لٹکا چکا ہوں، ایک روز مرنا ہے اور علاج میرا پادشاہ زادی کے ہاتھ میں ہے، کریں یا نہ کریں وہ جانیں۔ بارے مقلب القلوب نے اس سنگ دل کے دل کو نرم کیا۔ مہربان ہو کر فرمایا جلد پادشاہی حکیموں کو حاضر کرو۔ دونھیں طبیب آ کر جمع ہوئے۔ نبض قارورہ دیکھ کر بہت غور کی۔ آخرش تشخیص میں ٹھہرا کہ یہ شخص کہیں عاشق ہوا ہے، سوائے وصلِ معشوق کے اس کا کچھ علاج نہیں۔ جس وقت وہ ملے، یہ صحت پاوے۔ جب حکیموں کی بھی زبانی یہی مرض میرا ثابت ہوا، حکم کیا اس جوان کو گرمابے میں لے جاؤ، نہلا کر خاصی پوشاک پہنا کر حضور میں لے آؤ۔ دونھیں مجھے باہر لے گئے۔ حمام کروا اچھے کپڑے پہنا، خدمت میں پری کی حاضر کیا۔ تب وہ نازنین تپاک سے بولی تو نے مجھے بیٹھے بٹھائے ناحق بدنام اور رُسوا کیا، اب اور کیا کِیا چاہتا ہے؟ جو تیرے دل میں ہے صاف صاف بیان کر۔

یا فُقرا! اُس وقت یہ عالم ہو کہ شادیِ مرگ ہو جاؤں، خوشی کے مارے ایسا پھولا کہ جامے میں نہ سماتا تھا اور صورت شکل بدل گئی۔ شُکر خدا کا کیا اُس سے کہا، اِس دم ساری حکیمی آپ پر ختم ہوئی کہ مجھ سے مُردے کو ایک بات میں زندہ کیا، دیکھو تو اُس وقت سے اِس وقت تک میرے احوال میں کیا فرق ہو گیا؟ یہ کہہ کر تین بار گرد پھرا اور سامنے آ کر کھڑا ہوا اور کہا حضور سے یوں حکم ہوتا ہے کہ جو تیرے جی میں ہو سو کہہ، بندے کو ہفت اقلیم کی سلطنت سے زیادہ یہ ہے کہ غریب نوازی کر کر اس عاجز کو قبول کیجیئے اور اپنی قدم بوسی سے سرفرازی دیجیئے۔ ایک لمحہ تو سُن کر غوطے میں گئی، پھر کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا بیٹھو۔ تم خدمت اور وفاداری ایسی ہی کی ہے، جو کچھ کہو سو پھبتی ہے اور اپنے بھی دل پر نقش ہے، خیر ہم نے قبول کیا۔

اسی دن اچھی ساعت سُبھ لگن میں چپکے چپکے قاضی نے نکاح پڑھا دیا۔ بعد اتنی محنت اور آفت کے خدا نے یہ دِن دکھایا کہ میں نے اپنے دل کا مدعا پایا، لیکن جیسی دل میں آرزو اُس پری سے ہم بستر ہونے کی تھی، ویسی ہی جی میں بے کلی اُس وارداتِ عجیب کے معلوم کرنے کی تھی کہ آج تک میں نے کچھ نہ سمجھا کہ یہ پری کون ہے؟ اور وہ حبشی سانولا سجیلا جس

نے ایک پُرزے کاغذ پر اتنی اشرفیوں کے بدرے میرے حوالے کیئے، کون تھا؟ اور تیاری ضیافت کی پادشاہوں کے لائق ایک پہر میں کیوں کر ہوئی؟ اور وہ دونوں بے گناہ اُس مجلس میں کس لیے مارے گئے؟ اور سبب خفگی اور بے مروتی کا (باوجود خدمت گزاری اور ناز برداری کے) مجھ پر کیا ہوا؟ اور پھر ایک بارگی عاجز کو یوں سربلند کیا؟ غرض اسی واسطے بعد رسم رسوماتِ عقد کے آٹھ دن تلک باوصف اس اشتیاق کے قصد مباشرت کا نہ کیا۔ رات کو ساتھ سوتا، دن کو یونہی اُٹھ کھڑا ہوتا۔

ایک دن غسل کرنے کے لیے میں نے خواص کو کہا کہ تھوڑا پانی گرم کر دے تو نہاؤں۔ ملکہ مُسکرا کر بولی کس برتے پر تتا پانی؟ میں خاموش ہو رہا، لیکن وہ پری میری حرکت سے حیران ہوئی۔ بلکہ چہرے پر آثار خفگی کے نمود ہوئے، یہاں تلک کہ ایک روز بولی تم بھی عجب آدمی ہو، یا اتنے گرم یا ایسے ٹھنڈے، اِس کو کیا کہتے ہیں؟ اگر تم میں قوت نہ تھی تو کیوں ایسی کچی ہوس پکائی؟ اُس وقت میں نے بے دھڑک ہو کر کہا اے جانی! منصفی شرط ہے، آدمی کو چاہیے کہ انصاف سے نہ چوکے۔ بولی اب کیا انصاف رہ گیا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا۔ فقیر نے کہا، واقعی بڑی آرزو اور مُراد میری یہی تھی، سو مجھے ملی، لیکن دل میرا دُبدھے میں ہے اور دو دلے آدمی کی خاطر پریشان رہتی ہے۔ اُس سے کچھ ہو نہیں سکتا، انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں یہ قول کیا تھا کہ بعد اس نکاح کے (کہ عین دل کی شادی ہے) بعضی بعض باتیں (جو خیال میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتیں) حضور میں پوچھوں گا کہ زبان مبارک سے اُس کا بیان سُنوں تو جی کو تسکین ہو۔ اُس پری نے چیں بہ چیں ہو کر کہا کیا خوب! ابھی سے بھول گئے۔

یاد کرو بارہا ہم نے کہا ہے کہ ہمارے کام میں ہرگز دخل نہ کیجیو، اور کسی بات کے معترض نہ ہوجیو۔ خلافِ معمول یہ بے ادبی کرنی کیا لازم ہے؟ فقیر نے ہنس کر کہا جیسی اور بے ادبیاں معاف کرنے کا حکم ہے، ایک یہ بھی سہی۔ وہ پری نظریں بدل کر تیہے میں آ کر آگ بگولا بن گئی اور بولی، اب تو، بہت سر چڑھا، جا اپنا کام کر، ان باتوں سے تجھے کیا فائدہ ہوگا؟ میں نے کہا، دنیا میں اپنے بدن کی شرم سب سے زیادہ ہوتی ہے، لیکن ایک دوسرے کا واقف کار ہوتا ہے، پس جب ایسی چیز دل پر روا رکھی تو اور کون سا بھید چھپانے کے لائق ہے؟ میری اس رمز کو وہ پری وقوف سے دریافت کر کر کہنے لگی۔ یہ بات سچ ہے پر جی میں یہ سوچ آتا ہے کہ اگر مجھ نگوڑی کا راز فاش ہو تو بڑی قیامت مچے۔ میں بولا یہ کیا مذکور ہے؟ بندے کی طرف سے یہ خیال دل میں نہ لاؤ اور خوشی سے ساری کیفیت جو بیتی ہے، فرماؤ۔ ہرگز ہرگز میں دل سے زبان تک نہ لاؤں گا، کسو کے کان پڑنا کیا امکان ہے؟ جب اس نے دیکھا کہ اب سوائے کہنے کے اس عزیز سے چھٹکارا نہیں، لاچار ہو کر بولی ان باتوں کے کہنے میں بہت سی خرابیاں ہیں، تو خواہ مخواہ در پہ ہوا۔ خیر تیری خاطر عزیز ہے، اس لیے اپنی سرگزشت بیان کرتی ہوں، تجھے بھی اُس کا پوشیدہ رکھنا ضرور ہے، خبر شرط۔

غرض بہت سی تاکید کر کر کہنے لگی کہ میں بدبخت ملکِ دمشق کے سلطان کی بیٹی ہوں اور وہ سلاطینوں سے بڑا پادشاہ ہے۔ سوائے میرے کوئی لڑکا بالا اُس کے یہاں نہیں ہوا۔ جس دن سے میں پیدا ہوئی ماں باپ کے سائے میں ناز و نعمت اور خوشی خرمی سے پلی۔ جب ہوش آیا تب اپنے دل کو خوب صورتوں اور نازنینوں کے ساتھ لگایا۔ چناں چہ سُتھری

سُتھری پری زاد ہم جولی اُمرازادیاں مصاحبت میں، اور اچھی اچھی قبول صورت ہم عمر خواصیں سہیلیاں خدمت میں رہتی تھیں۔ تماشا ناچ اور راگ رنگ کا ہمیشہ دیکھا کرتی، دنیا کے بھلے بُرے سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اپنی بے فکری کے عالم کو دیکھ کر سوائے خدا کے شکر کچھ منہ سے نہ نکلتا تھا۔ اتفاقاً طبیعت خودبخود ایسی بے مزہ ہوئی کہ نہ مصاحبت کسو کی بھاوے نہ مجلس خوشی کی خوش آوے۔ سودائی سا مزاج ہو گیا۔ دل اُداس اور حیران، نہ کسو کی صورت اچھی لگے، نہ بات کہنے سننے کو جی چاہے۔ میری یہ حالت دیکھ کر دائی دداچھوچھوا نگاسب کی سب متفکر ہوئیں اور قدم پر گرنے لگیں۔ یہی خواجہ سرا نمک حلال قدیم سے میرا محرم اور ہم راز ہے، اس سے کوئی بات مخفی نہیں، میری وحشت دیکھ کر بولا کہ اگر پادشاہ زادی تھوڑا سا شربت ورق الخیال کو نوش جان فرماویں تو اغلب ہے کہ طبیعت بحال ہو جاوے اور فرحت مزاج میں آوے۔ اُس کے اس طرح کے کہنے سے مجھے بھی شوق ہوا، تب میں نے فرمایا جلد حاضر کر۔

محلی باہر گیا اور ایک صراحی اسی شربت کی تکلف سے بنا کر برف میں لگا کر لڑکے کے ہاتھ لوا کر آیا۔ میں نے پیا اور جو کچھ اُس کا فائدہ بیان کیا تھا، ویسا ہی دیکھا۔ اُسی وقت اُس خدمت کے انعام میں ایک بھاری خلعت خوجے کو عنایت کی اور حکم کیا کہ ایک صراحی ہمیشہ اِسی وقت حاضر کیا کر۔ اُس دن یہ مقرر ہوا کہ خواجہ سرا صراحی اُسی چھوکرے کے ہاتھ لِوالاوے اور بندی پی جاوے۔ جب اس کا نشہ طلوع ہوتا، تو اس کی لہر میں اُس لڑکے سے ٹھٹھا مزاح کر کر دل بہلاتی تھی۔ وہ بھی جب ڈھیٹھ ہوا تب اچھی اچھی میٹھی باتیں کرنے لگا اور اچنبھے کی نقلیں لانے، بلکہ آہ اوہی بھی بھرنے اور سسکیاں لینے، صورت تو اُس کی طرحدار لائق دیکھنے کی تھی، بے اختیار جی چاہنے لگا، میں دل کے شوق سے اور ٹھٹھلیوں کے ذوق سے ہر روز انعام بخشش دینے لگی، پر وہ کم بخت انھیں کپڑوں سے جیسے ہمیشہ پہن رہا تھا، حضور میں آتا بلکہ وہ لباس بھی میلا کچیلا ہو جاتا۔

ایک دن پوچھا کہ تجھے سرکار سے اتنا کچھ ملا، پر تُو نے اپنی صورت ویسی کی ویسی ہی پریشان بنا رکھی، کیا سبب ہے، وے رُوپے کہاں خرچ کیئے یا جمع کر رکھے؟ لڑکے نے یے خاطرداری کی باتیں جو سنیں، اور مجھے احوال پُرساں پایا، آنسو ڈبڈبا کر کہنے لگا جو کچھ آپ نے غلام کو عنایت کیا، سب استاد نے لے لیا، مجھے ایک پیسا نہیں دیا۔ کہاں سے دوسرے کپڑے بناؤں جو پہن کر حضور میں آؤں؟ اِس میں میری تقصیر نہیں، میں لاچار ہوں۔ اِس غریبی کے کہنے اُس کے ترس آیا۔ وونھیں خواجہ سرا کو فرمایا کہ آج سے اِس لڑکے کو اپنی صحبت میں تربیت کر، اور اچھا لباس تیار کروا کر پہنا اور لونڈوں میں بے فائدہ کھیلنے کودنے نہ دے، بلکہ اپنی خوشی یہ ہے کہ آداب لائق حضور کی خدمت کے سیکھے اور حاضر رہے۔ خواجہ سرا موافق فرمانے کے بجالایا اور میری مرضی جو اُدھر دیکھ نہایت اُس کی خبر گیری کرنے لگا۔ تھوڑے دنوں میں فراغت اور خوش خوری کے سبب سے اس کا رنگ وروغن کچھ کا کچھ ہو گیا اور کینچلی سی ڈال دی۔ میں اپنے دل کو ہر چند سنبھالتی پر اُس کافر کے صورت جی میں ایسی کُھب گئی تھی، یہی جی چاہتا کہ مارے پیار کے اُسے کلیجے میں ڈال رکھوں اور اپنی آنکھوں سے ایک پل جُدا نہ کروں۔

(جاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف ۲۰۲۶ء

جَامِعَةُ السَّعَادَة
شاخ دار العلوم ندوة العلماء لکھنؤ

جَامِعَہ اِسْعَادُ البَنَات
شاخ دار العلوم ندوة العلماء لکھنؤ

جامعة السعادة للدارین پبلک اسکول
کیرانہ شاملی یوپی

زیرانتظام: انجمن دعوت الی الحق (ٹرسٹ)

بانی ومہتمم
مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، قصبہ کیرانہ، ضلع شاملی یوپی 247774
رابطہ نمبر: 9359602830 / 09319530768

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی نبیہ الکریم، اما بعد:

علم ہی روشنی ہے، علم ہی ترقی ہے اور علم ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کی کلید ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری عزّ اسمہ ہے:

''قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (اے پیغمبر! آپ کہیے کہ علم والے اور جہل والے کہیں برابر ہوتے ہیں)

اس مختصر سے جملے میں رب کریم نے بڑے واضح انداز میں اس حقیقت کو واشگاف فرما دیا ہے کہ وہی لوگ آگے بڑھ سکتے ہیں، ترقی کر سکتے ہیں، زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے ہیں اور باعزت و باوقار، زندگی گذار سکتے ہیں، جن کے پاس علم ہوگا۔ جب کہ جہالت بربادی و ہلاکت کے گڑھے میں ڈالنے والی ہے۔

ہمارے اسلاف نے یہی نہیں کہ اس حقیقت کو سمجھا، بلکہ علوم وفنون سے اپنے آپ کو اور اپنی نسل نو کو آراستہ بھی کیا، بہت سے علوم وفنون کے موجد بنے، اور اس کے فروغ کے دیپ جلا کر پورے عالم کو علم اور تہذیب وتمدن سے روشن کیا، نتیجۃً ملکوں اور سلطنتوں کے ساتھ، لوگوں کے دلوں پر بھی انھوں نے حکومت کی اور جہاں بھی پہنچے، ان کا وجود، علم اور تہذیب وتمدن کا مینارہ بن گیا۔

افسوس! موجودہ دور کے مسلمانوں نے اپنے اسلاف کی اس میراث کو چھوڑ کر، علم جیسی عظیم نعمت سے اپنے آپ کو محروم کر لیا ہے، اس کے پاس نہ علم دین باقی رہ گیا ہے اور نہ علم دنیا۔ نتیجۃً ترقی کے دونوں زینوں سے محرومیت نے اسے نہ دین کا چھوڑا اور نہ دنیا کا۔ فیا للحسرتا۔

مسلمان اگر اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں، زمانے میں عزت ووقار کی زندگی گذارنا چاہتے ہیں، اپنے اندر بیداری لانا چاہتے ہیں، تو سب سے پہلے انھیں اپنے آپ کو اور اپنی نسل نو کو، زیورِ علم سے آراستہ کرنا ہوگا۔ دینی علوم سے بھی اور عصری علوم سے بھی۔

اس حقیقت کا انکار ممکن نہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں میں اس وقت جو کچھ دینی تشخص اور اسلامی تہذیب وتمدن باقی ہے، اس میں مدارس اسلامیہ کا بہت بڑا اور اہم کردار ہے، اگر یہ مدارس جگہ جگہ شمع علم جلائے ہوئے موجود نہ ہوتے، تو آج امت مسلمہ الحاد و بے دینی اور عقیدے کی گمراہی میں نہ جانے کہاں جا چکی ہوتی۔

مدارس اسلامیہ کے اسی سلسلے کی ایک سنہری کڑی ''جامعۃ السعادۃ، کیرانہ'' ہے۔ جو تقریباً اٹھارہ بیس سال سے علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت اور نونہالان اسلام کی دینی وعلمی اور فکری تربیت کر رہا ہے۔

جب کہ بچیوں کی تعلیم کے لئے الگ سے باقاعدہ ''جامعہ اسعاد البنات'' قائم ہے۔ جس کی اپنی مستقل تین منزلہ خوبصورت اور بچیوں کے اعتبار سے محفوظ اور ضروریات وسہولیات سے مزین مستقل عمارت ہے۔ جامعہ اسعاد البنات بھی باضابطہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے اور ندوۃ العلماء ہی کے نصاب و نظام کے مطابق دینیات کے ابتدائی درجات سے مکمل عالمیت (دورہ حدیث) تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

ساتھ ہی علوم عصریہ (انگریزی، ہندی، حساب، کمپیوٹر) ودست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) کی تعلیم کا بھی معقول بندوبست ہے۔ اس جامعہ میں بھی طالبات کی ایک بڑی تعداد دارالاقامہ میں مقیم رہ کر تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ **فالحمد للہ علی ذلک**

اس کے علاوہ حالات وضروریات کا خیال رکھتے ہوئے، ۲۰۱۶ء سے بچوں وبچیوں کی عصری تعلیم کے لئے باضابطہ ''جامعۃ السعادۃ للدارین پبلک اسکول'' کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں مکمل اسلامی اصولوں کے تحت، فی الحال آٹھویں جماعت تک کی تعلیم کا باقاعدہ نظم ہے، جب کہ امید ہے کہ جلد ہی دسویں اور بارہویں جماعت تک کی منظوری مل جائے گی۔ اسکول میں عصری علوم کے ساتھ، اسلامی علوم: قرآن کریم اور اردو وغیرہ کی بھی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔

مذکورہ تینوں اداروں کا مختصر تعارف اور اغراض ومقاصد وغیرہ کی تفصیلات پیش خدمت ہیں، ملاحظہ فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت ان اداروں کی ضروریات کی تکمیل کا غیب سے انتظام فرمائے، اپنے مخلص اور مخیر بندوں کو دست تعاون بڑھانے کے لیے متوجہ فرمائے اور ہماری خدمات کو قبول فرمائے۔ (آمین)۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**

محمد عرفان ثاقب قاسمی

۱۵ر فروری ۲۰۲۶ء

جامعۃ السعادۃ کیرانہ ضلع شاملی یوپی

شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جامعۃ السعادۃ کیرانہ کا باضابطہ قیام مؤرخہ ۱۴۲۸ھ، مطابق ۲۰۰۷ء میں ہوا۔ ابتداء کرائے کی عمارت سے ہوئی ، پھر آہستہ آہستہ زمین کی خریداری اور عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور آج بحمد اللہ اہل ثروت مخیر حضرات کے تعاون سے جامعہ کی اپنی مستقل زمین ہے، جس پر طلبہ کے لئے رہائشی کمروں، درس گاہوں اور ایک بڑے ہال پر مشتمل دومنزلہ انتہائی دیدہ زیب وخوش نما عمارت کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے۔ جب کہ تیسری منزل کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

جامعہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے اور وہیں کے نصاب ونظام کے مطابق عالمیت کے درجہ عالیہ ثانیہ (عربی ششم) تک کی تعلیم ، ماہر فن اور تجربہ کار اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے ۔ یہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد صرف دوسال کے لئے طلبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جاتے ہیں، اور باقاعدہ عالمیت کی سند حاصل کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی سند کے ذریعہ ملک کی بہت سی یونیورسٹیوں، مثلا: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی وغیرہ میں داخلہ لیا جاسکتا ہے، جب کہ حکومت ہند دسویں کے برابر اسے تسلیم کرتی ہے۔

درجات عربیہ کے علاوہ: شعبۂ ناظرہ ودینیات اور شعبۂ حفظ قرآن کریم وغیرہ کی تعلیم کا بھی عمدہ بندوبست ہے۔ تعلیمی تمام ہی شعبوں میں طلبہ کی ایک کثیر تعداد مقیم رہ کر حصول علم میں مصروف رہتی ہے۔ جن کے قیام وطعام کا نظم حتی المقدور جامعہ کرتا ہے اور دیگر سہولیات بھی فراہم کرتا ہے۔

جامعہ کی عمارت اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود، طلبہ کی کثیر تعداد کے پیش نظر ناکافی ہے۔ مزید عربی درجات کے اضافے کے ساتھ ایک بڑی مسجد، دار القرآن، دار الحدیث، لائبریری، اور مزید درس گاہوں ورہائشی کمروں کی تعمیر کے لیے ایک بڑی اراضی خرید لی گئی ہے، جس پر عنقریب ہی تعمیرات کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ انشاء اللہ۔

شعبہ جات

۱- شعبۂ دینیات وناظرہ قرآن کریم

اس شعبے میں داخل طلبہ کو اولاً بطرز ہردوئی نورانی قاعدہ پڑھایا جاتا ہے، اس کے بعد مخارج کی مکمل رعایت کے ساتھ قرآن کریم ناظرہ پڑھایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اسلام کے بنیادی عقائد، ابتدائی مسائل، دعائیں، اسلامی آداب، طہارت، وضو اور

نماز وغیرہ کی عملی مشق، اردو زبان پڑھنے اور لکھنے کی مشق وغیرہ پر بھی خصوصی توجہ رہتی ہے۔

علاوہ ازیں تمام ہی طلبہ کا جامعہ کے تحت چلنے والے اسکول میں بھی داخلہ لازمی طور پر رہتا ہے۔جس کی وجہ سے طلبہ،شعبۂ دینیات کی تکمیل کے ساتھ،اسکول کی پانچویں کلاس تک کی تعلیم بھی حاصل کر لیتے ہیں۔

۲-شعبۂ حفظ و تجوید

اس شعبے میں بہترین حفاظ و قراء کی نگرانی میں اصول تجوید کی مکمل رعایت کے ساتھ بچوں کو حفظ قرآن کریم کرایا جاتا ہے اور اصول تجوید کی بنیادی معلومات سے واقف کرایا جاتا ہے۔

ساتھ ہی ان طلبہ کا داخلہ جامعہ کے اسکول میں بھی رہتا ہے، جس کی تعلیم کے لئے ان کو دو گھنٹے کا وقت دیا جاتا ہے ،اس دوران یہ طلبہ اسکول کے مضامین: انگلش، ہندی، حساب وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔اس طرح ان طلبہ کی،شعبۂ حفظ سے فراغت کے ساتھ، آٹھویں جماعت تک کی تعلیم بھی مکمل ہو جاتی ہے۔

۳-شعبۂ عربی

جامعہ باضابطہ طور پر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے،اور جامعہ کا نصاب ونظام اسی اعتبار سے مرتب ہے۔فی الحال ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم جاری ہے۔یہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے طلبۂ عزیز دار العلوم ندوۃ العلماء جا کر اپنی علمی تشنگی سے سیرابی حاصل کرتے ہیں۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب کی خصوصیت یہ ہے کہ علوم اسلامیہ: قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم کے ساتھ عربی زبان وادب پر بھی خصوصی توجہ رہتی ہے اور عصری علوم خصوصاً انگریزی زبان بھی اس کے نصاب کا حصہ ہے۔اسی نصاب کے مطابق عربی درجات میں داخل طلبہ کو اسکول کی بارہویں کلاس تک کے معیار کی تعلیم دی جاتی ہے۔اور ادارہ کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی منظور شدہ اسکول میں داخلہ دلا کر عربی تعلیم کے ساتھ طالب علم کو انٹر کا امتحان بھی دلا دیا جائے۔

۴-شعبۂ اہتمام

یہ جامعہ کا سب سے اہم شعبہ ہے، جو پورے ادارے اور تمام شعبہ جات کی نگرانی کرتا ہے،اساتذہ و عملے کی تقرری اور مفوضہ امور کی انجام دہی کا ان کو پابند کرتا ہے۔ادارے کے تمام اہم امور اسی کے مشورے سے انجام پاتے ہیں۔

۵-شعبۂ تعلیمات:

اس شعبہ کی ذمہ داریوں میں سے طلبہ کا داخلہ لینا، مکمل تعلیمی نظام کو دیکھنا، معیار تعلیم کو زیادہ سے زیادہ اچھا کرنے کی کوشش کرنا، درس گاہوں میں طلبہ واساتذہ کی حاضری کو یقینی بنانا اور امتحانات کا انعقاد کرانا جیسے اہم امور ہیں۔

۶-شعبۂ اقامت:

یہ شعبہ طلبہ کی رہائش کا نظام کرتا ہے، ان کی اخلاقی و دینی تربیت اور اصلاح پر خصوصی توجہ دیتا ہے، دار الاقامہ کی

صفائی ستھرائی کی نگرانی، نماز وغیرہ کے لئے طلبہ کو وقت مقررہ پر بیدار کرنا، نماز کے وقت طلبہ کی حاضری لینا، صبح وشام کی مسنون دعاؤں کا اہتمام کرانا وغیرہ امور کی انجام دہی بھی یہی شعبہ کرتا ہے۔

۷-شعبہ لائبریری:

مدرسہ اور کتاب دونوں ایسے لازم وملزوم ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جامعہ کے قیام سے ہی یہ شعبہ برسرعمل ہے۔ جس کا مقصد طلبہ کے اندر کتب بینی کا شوق بیدار کرنا، علمی وتحقیقی مواد تک رسائی کو آسان بنانا اور ان کے مطالعاتی ذوق کو جلا بخشنا ہے۔

یہ شعبہ جہاں داخل طلبہ کی نصابی کتب کا انتظام کرتا ہے، وہیں حضرات اساتذہ واہل علم کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے مطلوبہ کتابیں بھی فراہم کرتا ہے۔ محدود وسائل کی وجہ سے ابھی انتہائی محدود ہی کتابیں ہیں، مزید کتابوں کی سخت ضرورت ہے۔

۸-شعبۂ تحقیقات شرعیہ اکیڈمی

جدید مسائل کے حل کے لئے علمی مذاکرے کا انعقاد، علمی وتحقیقی کتابوں کی اشاعت اور مستند علماء کرام کی نگرانی میں مختلف موضوعات پر کتب، رسائل وپمفلٹ وغیرہ طبع کرا کے تقسیم کئے جانے کے مقصد سے اس شعبے کا قیام عمل میں آیا۔ اس شعبے سے ابھی تک مندرجہ ذیل کتب شائع ہو چکی ہیں۔

(۱) تفسیر پارہ عم

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۲) التوحید (دلائل توحید اور رد کفر وشرک پر مدلل ومفصل کتاب)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۳) مختصر لغات القرآن

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۴) طلاق کا اختیار عورت کو کیوں نہیں

تحریر: حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب۔ ترتیب وتخریج: مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی

(۵) اسلام کا نظام طلاق (نقل وعقل کی روشنی میں)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۶) موڈرن عورت اور اسلام

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۷)اسلام کا پیغام انسانیت کے نام

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۸)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ اول)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۹)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ دوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۰)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ سوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۱)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ چہارم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

ماہ نامہ ''تحقیقاتِ اسلامی''

جامعہ کا علمی، دینی، تحقیقی اور اصلاحی ترجمان، ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' بھی اسی شعبہ سے شائع ہوتا ہے۔ جس کا اجراء ۲۰۰۸ء میں ہوا تھا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ پابندی کے ساتھ ہر ماہ شائع ہو رہا ہے۔ ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' عصر حاضر کے سلگتے مسائل، دینی و اصلاحی مضامین کے ساتھ، علمائے اسلام کے تحقیقی مضامین بھی شائع کرتا رہتا ہے، نیز دشمنانِ اسلام کی جانب سے اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن پر کئے جانے والے اعتراضات کا مسکت جواب بھی دیتا رہتا ہے۔

۹-شعبۂ مطبخ

اس شعبہ سے دارالاقامہ میں مقیم تمام ہی طلبہ کے کھانے وناشتے کا نظم کیا جاتا ہے۔ الحمد للہ دیگر شعبوں کی طرح یہ شعبہ بھی اپنی ذمہ داریوں کو بہ حسن وخوبی انجام دے رہا ہے اور حتی الامکان کھانے میں وسعت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

۱۰-شعبۂ تنظیم وترقی

یہ ایک انتہائی حساس شعبہ ہے، اس سے جہاں مالیات کی فراہمی وابستہ ہے، وہیں طلبہ وطالبات کی ضروریات: بجلی، پانی، پنکھا، صفائی ستھرائی، علاج معالجہ وغیرہ نیز آمد وصرف کا مکمل حساب رکھنا اور ماہانہ وار اسے ترتیب دینا بھی متعلق ہیں۔

۱۱-شعبۂ تعمیرات

تعمیرات کی منصوبہ بندی اور اس کی نگرانی وغیرہ اس شعبہ سے متعلق ہے۔ کسی بھی ادارے کے لیے تعمیر اہم اور بنیادی ضرورت ہے جس کی جانب جامعہ پہلے ہی دن سے متوجہ ہے۔ کرائے کی عمارت سے شروع ہونے والا جامعہ، آج ایک بڑی اراضی پر کئی ایک رہائشی کمروں، درس گاہوں اور ایک بڑے ہال پر مشتمل دومنزلہ انتہائی خوبصورت و دیدہ زیب عمارت کی شکل میں مصروف خدمت قرآن وحدیث ہے۔ جب کہ ادارے کی ضرورت کے پیش نظر عنقریب مزید تعمیری سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ ہے۔

۱۲-شعبۂ دعوت وتبلیغ

عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے، رسومات وبدعات سے دور رہنے اور لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے مقاصد سے اس شعبے کا قیام عمل میں آیا، جس کے تحت وقتاً فوقتاً اساتذہ جامعہ کو گاؤں دیہات میں بھیجا جاتا ہے اور معاشرے کی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسی شعبہ کی نگرانی میں طلبہ کی انجمن ''بزم رشید'' بھی قائم ہے۔ جس کا ہفتہ واری پروگرام ہر جمعرات کو اساتذہ کرام کی نگرانی میں منعقد ہوتا ہے۔ جس میں طلبۂ عزیز عربی، اردو اور انگریزی وغیرہ زبانوں میں تقریر کی مشق کرتے ہیں۔

جامعہ اسعاد البنات

شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کیرانہ شاملی یوپی

بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۰ء میں اس ادارے کا قیام عمل میں آیا۔ الحمدللہ ادارہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور آج بچیوں کی ایک بڑی تعداد ادارہ میں مقیم رہ کر علوم کتاب وسنت کے حصول میں مصروف ہے۔ جہاں ان کی تعلیم وتربیت پر پورا ایک عملہ مقرر ہے۔

اس ادارے کا بھی آغاز کرائے کی عمارت سے ہوا تھا، لیکن آج رب کریم کے فضل سے اور اہل خیر حضرات کے تعاون سے اس کی بھی انتہائی محفوظ، خوبصورت اور بچیوں کے اعتبار سے ہر طرح کی ضروریات وسہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں۔

یہ ادارہ باضابطہ طور پر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے اور ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی

سکھائی جاتی ہے۔

بچیوں کی روز افزوں کثرت کے پیش نظر مزید عمارت کی تعمیر کا عنقریب منصوبہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ ربّ العزت اس کی بھی تعمیر کا غیب سے انتظام فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

جامعۃ السعادۃ للدارین

(JSL) پبلک اسکول

حالات وضروریات کا خیال رکھتے ہوئے ۲۰۱۶ء سے بچوں وبچیوں کی عصری تعلیم کے لئے باضابطہ ''**جامعۃ السعادۃ للدارین پبلک اسکول**'' کا قیام عمل میں آیا۔ جو حکومت ہند سے منظور شدہ ہے اور جس میں مکمل اسلامی اصولوں کے تحت، فی الحال آٹھویں جماعت تک کی تعلیم کا باقاعدہ نظم ہے، جب کہ امید ہے کہ جلد ہی دسویں اور بارہویں جماعت تک کی منظوری مل جائے گی۔

اسکول میں عصری علوم: انگلش، ہندی، حساب، سائنس، کمپیوٹر کی تعلیم کے ساتھ اسلامی علوم: قرآن کریم ناظرہ، اردو زبان، اسلامی کے بنیادی عقائد، طہارت اور نماز وغیرہ کے مسائل کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔

نیز جامعۃ السعادۃ اور جامعہ اسعاد البنات میں پڑھنے والے بچوں اور بچیوں کو بھی موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ عربی تعلیم کے ساتھ، اپنی صلاحیت کے مطابق اسکول میں داخلہ لے کر اسکول کی تعلیم مکمل کریں۔ جس کا بڑا فائدہ ان کو یہ ہوگا کہ وہ جامعہ سے تعلیم مکمل کرنے کے کسی بھی کالج میں داخلہ لینے کے مجاز رہیں گے۔

اسکول کی مقبولیت اور طلبہ کے رجوع کے پیش نظر عنقریب ایک ''اسلامی کالج'' کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جس کے لیے ایک بڑی زمین کی تعیین بھی کر لی گئی ہے، جس پر جلد ہی تعمیراتی کام شروع ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ کالج کی تعمیر کے صرفہ کا تخمینہ تقریباً دو کروڑ روپے ہیں۔ جو اہل خیر حضرات ہی کے تعاون سے پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔

منصوبے اور عزائم

ایک بڑی مسجد کی تعمیر
دارالقرآن کی تعمیر
دارالحدیث کی تعمیر
لائبریری کی تعمیر
طلبہ کی رہائش کے لئے مزید کمروں کی تعمیر
مزید درسگاہوں کی تعمیر
اساتذہ وملازمین کے لئے فیملی کواٹر کی تعمیر
پانی کی ایک بڑی ٹنکی کی تعمیر
شعبۂ **تخصص فی الفقه** کا قیام
شعبۂ **تخصص فی اللغة العربیة** کا قیام
اسلامی کالج کی بلڈنگ کی تعمیر

ان منصوبوں کی تکمیل کے لئے ایک بڑی اراضی خرید لی گئی ہے۔ جس پر عنقریب ہی تعمیرات کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت ان کی تکمیل کا غیب سے انتظام فرمائے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ ماہ مبارک میں صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**

محمد عرفان ثاقب قاسمی
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774
رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

اہل خیر حضرات متوجہ ہوں

جامعۃ السعادہ کیرانہ، شاملی، یوپی کی جانب سے ماہ مبارک ۱۴۴۷ھ میں، ملک کے مختلف علاقوں میں، جامعہ کے اساتذہ کرام ،فراہمی مالیات کے لیے جارہے ہیں، اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ دامے درمے قدمے سخنے ان کا تعاون فرمائیں اور اپنے متعلقین کو بھی تعاون کے لیے متوجہ فرمائیں۔

حضرات اساتذہ کرام کا رابطہ نمبر اور ان کے حلقہ جات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) محترم جناب مولانا **محمد معظم** صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 9359602830

حلقہ جات: بڑودہ، سورت، واپی، اطراف واپی، دمن، بھیلاڑ، ڈونگری فلیہ، دونگرا بلیشور، اطراف سورت، بھوپال، دہلی سیلم پور، ویلکم مہرولی، مدینہ مسجد، جامع مسجد مارکیٹ، مینا مارکیٹ، چٹلی قبر، اطراف لکشمی نگر، منڈاولی وغیرہ۔

****

(۲) محترم جناب مولانا عابد حسن رشیدی صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 9358874516

حلقہ جات: احمد آباد، ممبئی، دلی، مصطفی آباد، لونی، میرٹھ، شاملی، بگھرہ، لاوڑ، کیرانہ، سہارن پور، مظفر نگر۔

****

(۳) محترم جناب مولانا عمران ندوی صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 7417950457

حلقہ جات: مالیگاؤں، کھرگون، پانی پت، جگادھری، نواڑہ، باغپت، لونی، مصطفی آباد، کیرانہ، رامڑہ، موی نگلہ راعی۔

****

(۴) محترم جناب مولانا محمد ارشد صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 9639227862

حلقہ جات: کیرانہ، محمد پور، راڈا، ٹانڈا، تھانہ بھون، سہارن پور، دلی جعفرآباد، شہید نگر، لونی، کبیر نگر۔

****

(۵) محترم جناب مولانا محمد مقیم صاحب مظاہری استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 8923222116

حلقہ جات: لدھیانہ پنجاب، راجستھان، دہلی سیلم پور، سہارنپور، تھانہ بھون، دہرادون، کڑانہ، جہانپورہ، ڈنڈوکھیڑہ، تیترواڑہ، اسلام نگر کیرانہ ومساجد کیرایانہ (عیدگاہ والی مسجد، محمدی مسجد، آمنہ مسجد، اسلام نگر کی تمام مساجد، بارہ دری والی مسجد، گلشن نگر، سندر نگر، سراوالی مسجد، دربار والی دونوں مسجد، چاند مسجد۔

****

(۶) محترم جناب مولانا محمد عثمان صاحب کھندراولی استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 9760072071
حلقہ جات: پنجاب سنگرور، گنگوہ، بڈھاکھیڑا، مالھی پور، بیملہ، پانی پت، سونی پت، امید گڑھ، صالح کھیڑی۔

****

(۷) محترم جناب مولانا محمد نعمان ندوی صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 7860776363
حلقہ جات: چنڈی گڑھ، مظفرنگر، میرٹھ، غازی آباد، دہلی۔

****

(۸) محترم جناب مولانا محمد مرسلین صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 7500042002
حلقہ جات: میرٹھ، دہلی، کھتولی، تیوڑہ، سیانہ، سردھنہ۔

****

(۹) محترم جناب مولانا مجیب الاسلام صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 9927848521
حلقہ جات: بھاؤنگر، جمبوسر، کچھ، بھوج۔

****

(۱۰) محترم جناب قاری محمد سالم صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 7536072696
حلقہ جات: مظفرنگر، سوجڑو، دادری، بھرت نگر، دہلی، نوئیڈا، رٹھوڑہ، کوٹہ راجستھان۔

****

(۱۱) محترم جناب قاری افتخار صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 95686268036
حلقہ جات: پونا، راجستھان، دہلی کے مختلف علاقے: مصطفی بعد، ویلکم، جعفرآباد، اندرلوک، موجپور، سیلم پور، برہم پوری، لونی، رٹول، پسونڈا، کاندھلہ وغیرہ۔

****

(۱۲) محترم جناب حافظ محمد طاہر صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 9045539917
حلقہ جات: اون، جھنجھانا، کیرانہ۔

****

(۱۳) محترم جناب قاری محمد انعام صاحب استاذ جامعہ ہذا (موبائل) 9012614533
حلقہ جات: کیرانہ واطراف کیرانہ، لدھیانہ، نانوتہ، سہارن پور

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

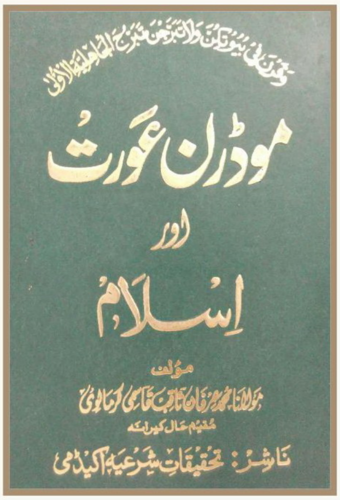

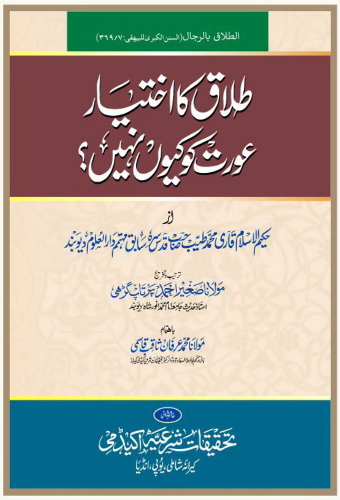

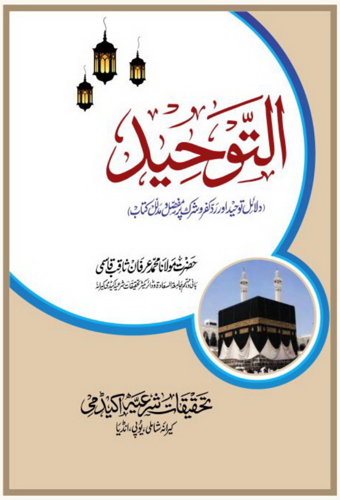

JAMIATUS SA'ADAH

Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768